صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن

کا

جشنِ موج شاہی

یادیں

2016 - 2020

ویب سائٹ
www.maujshaahi.in
Email: maujvilla07@gmail.com
Mob. 9935931681,9554953641

پتہ
Mauj Villa, New MIG,
W-Block, Keshav Nagar
Kanpur - 208014 (U.P.)

صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن
کے عھدہ داران

==================

صدر

ڈاکٹرارامشرا

جنرل سکریٹری

وِپُل مشرا

سکریٹری

منیش تیواری

خزانچی

سنچِتا مشرا

سکریٹری نشرواشاعت

شیل باجپئی

پربھات تیواری

ایگزیکٹوممبران

ایچ-جی-الوک ، کے-کے-تیواری ،

ڈاکٹرگورودوبے

☆

جشنِ موج شاھی
کے عھدہ داران

====================

سرپرست

فاروق جائسی

صدر

پردیپ شریواستو

مشیر

ڈاکٹرآدتیہ پانڈے

خزانچی

سنچِتا مشرا

معتمد

پربھات تیواری

معاون معتمد

منیش تیواری

سکریٹری نشرواشاعت

شیل باجپئی، وِشال مشرا

مجلس انتظامیہ

روہت مہیشوری، سُنیل کھتری، ابھیشیک، شوبھِت پاٹھک، جے-ڈی دیکشت، سنجیوشکلا، رشی کیش دیکشت، انکُر دیکشت، انوپ مشرا

☆

جو گُرو کِرپا کریں تو پَل میں لاکھن پاپ کٹے
یہ انمول رتن جو پائے وہکا بھاگ جگے

ہماری تنظیم صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن کی بنیاد 2016 میں ہمارے مرشد ''صاحب'' کی یادوں کو قائم رکھنے کے لئے اور انسانیت کے لئے اُن کی تعلیم اور مقصد کو آگے بڑھاتے رہنے کے لئے کی گئی۔

صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن کا مقصدِ اولیٰ لوگوں کو روحانی دنیا سے متعارف کرانا اور انسانیت کے ساتھ جینا سکھانا، مذہب اور ذات پات کے چشمے اتار کر دِل کی دنیا سے روبہ رو کرانا، ظاہری دنیا کے دَلدَل میں پھنستے جارہے زمانے کو بچنے کا راستہ دکھانا ہے۔

صاحب کی ولادت جون 1935 میں جونپور کے بہیری گاؤں میں ہوئی اور تب ہی وارانسی کے پنڈتوں نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ یہ بچہ آسمانی بادشاہ ہے۔ بہت کم عمر میں انہوں نے روحانی راستہ پوری طرح سے اپنالیا اور برسوں تک سخت ریاضت کی 1967 میں کانپور کے برف خانے میں خانقاہ کی شروعات ہوئی اور وہیں سے ذکر، دعا، فریادیوں کی بھیڑ، دوائیں بنانے اور بانٹنے کا کام شروع ہوا۔

حضرت حسینی شاہ بابا مداریہ اور حضرت موج شاہ بابا کے شاگرد ہو کر صاحب چشتی صابری سلسلہ سے ہیں۔ جس کے روحانی رہنمائی کی بنیاد عشق و محبت ہے۔ مذہب جو صرف ہم کو زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، سے الگ صوفی انسان کو اُس کے اندر کی دنیا سے متعارف کرا کے اللہ سے سچا پیار کرنا سکھاتا ہے۔ روحانی راستے پر بڑھنے کے لئے گھر بار چھوڑ کر جنگل جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف ایثار و قربانی کا سبق سکھاتا ہے۔

سال 1991 میں 'رسکھان' تنظیم کی بنیاد پڑی جس سے ہر سال مشاعرہ/کوی سمیلن منعقد ہوتے رہے۔ صاحب کو اردو، ہندی، پوربی اور فارسی زبان پر مکمل عبور حاصل ہے۔ مولانا رومی کی 'مثنوی شریف' جو کہ صوفیوں کے لئے قرآن اور گیتا کا درجہ رکھتی ہے، اُس کا ہندی ترجمہ اور املا کرایا ہے جو کہ سات حصوں میں ''رہبر طریقت'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ صوفی بزرگوں کی زندگی کے بارے میں 'کشکول روحانی' اور 'روحانی گلدستہ' نام سے کتابیں ہیں۔

وہ خود روحانی بلندی سے تعلق رکھنے والے شاعر ہیں۔ ''گولر کے پھول'' کے نام سے جس کے چھ حصے چھپ چکے ہیں۔ اور تقریباً یہ 700 غزلیں، گیت اور منقبتی کلام روحانی جہان معنی سمیٹے ہوئے ہیں۔

2016 سے شروع ہوا صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن کا سفر صاحب کی دعاؤں اور نظر کرم سے بغیر رکے مسلسل چل رہا ہے۔ فاؤنڈیشن کی جانب سے اب تک 7 شاندار آل انڈیا مشاعروں/کوی سمیلن کا انعقاد ہو چکا ہے جن میں عالمی شہرت

یافتہ شعراء کرام وکوی حضرات نے شرکت فرمائی۔ اکتوبر 2017 میں ہونے والا مشاعرہ تو بہت ہی یادگاری ہے جس میں ''شانِ کلیر'' کتاب کی رسمِ اجرا بھی عمل میں آئی۔ دسمبر 2018 میں لکھنؤ کے اردو ہال میں ''ناری تو نرائنی'' عنوان سے منعقد ہونے والا مشاعرہ وسیمنار بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ صاحب کی لکھی ''گولر کے پھول'' کے سب حصوں کو جمع کر کے اردو میں کلیات تیار کیا اور ''جشنِ موج شاہی'' کے نام سے صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن نے دسمبر 2019 میں اس کا شاندار رسمِ اجرا کیا۔ جیسا کہ رسکھان کے پروگراموں کا مقصد تھا لوگوں کو جوڑنا، ویسے ہی صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن کے ذریعہ منعقدان تمام پروگراموں کا مقصد بھی یہی کہ صاحب کی تعلیم پر عمل کیا جائے۔

''ہم صوفی گروہ سے جڑے ہیں، ہماری تہذیب ہے مختلف رنگوں کے پھول جمع کر کے گلدستہ سجانا اور ہم یہ کرتے رہیں گے۔ اگر ہم جوڑ نہ سکے تو جینے سے کیا فائدہ۔

گزشتہ برسوں میں صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن کے ذریعہ چار میڈیکل کیمپ کانپور کے نوبستہ، جاجموَ، جرولی اور ورڈھا آشرم میں انعقاد پذیر ہوئے جن میں ضرورت مندوں کو ماہر ڈاکٹروں نے مشورہ دیا اور تنظیم کی طرف سے مفت دوائیں دی گئیں۔ 2020 میں وبائی مرض کی وجہ سے ہوئے لاک ڈاؤن میں فاؤنڈیشن کی طرف سے کھانا اور غلہ ضرورت مندوں اور متاثرین تک پہنچایا گیا۔ سردیوں میں چائے اور گرمیوں میں شربت کا انتظام فاؤنڈیشن کی طرف سے کیا جاتا رہا ہے۔ کئی نادار طلبہ کو فاؤنڈیشن کی طرف سے پڑھائی کا پورا خرچ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال ناگپور، کلیر اور اجمیر شریف حاضری کا معمول بنا ہوا ہے۔

صاحب سمرِتی فاؤنڈیشن کے سبھی معزز ممبران اور معاونین کا شکریہ کہ اُن کی کوششوں سے فاؤنڈیشن صوفی وراثت کو لوگوں تک پہنچانے میں کامیابی سے ہمکنار ہے۔ صاحب سے التجا ہے کہ اُن کی نظرِ کرم ہم پر بنی رہے اور وہ ہماری رہنمائی کرتے رہیں۔ ☆

//

﴿ رباعیات ﴾

حیوان ہیں انسان نہیں ہو سکتے
یہ صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتے
بے وجہ بہاتے ہیں جو انسان کا خون
وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے

☆

اے لوگو! بچانا ہے محبت کا یہ باغ
غائب کرو اس ملک سے نفرت کے چراغ
شعلوں سے ہے شعلوں کا بجھانا بے سود
مٹتا ہے کہیں خون سے بھی خون کا داغ

☆

دن رات خیالوں میں گڑھی جاتی ہے
خواہش کی امر بیل چڑھی جاتی ہے
سب کہتے ہیں سب چھوڑ کے جانا ہے وہاں
پھر بھی ہوسِ مال بڑھی جاتی ہے

فاروق جائسی

صاحب کی یاد میں

یہ جن کی تاریک راہ میں دعا کے جگنو رکھتے ہیں
کچھ نادان اُنہیں کی راہ میں کاٹ کے نیبور رکھتے ہیں

تنتر منتر جادو ٹونے سب یہاں پہ سجدہ کرتے ہیں
یہ فقیر سو سو جادو کو پریم کا جادو رکھتے ہیں

اِنہیں صدائیں دے لینا جس وقت بھنور میں پھنس جانا
نیّا پار لگا دیں گے یہ ایسا چپو رکھتے ہیں

جس کے ذہن و دِل میں بدبو انگ انگ میں بدبو ہو
یہ اُن کی بھی خاطر اپنی زلف میں خوشبو رکھتے ہیں

جل کر اگر خاک ہو جائیں تو یہ ہماری کرنی ہے
لیکن اچھے برے پہ کرپا صوفی سادھو رکھتے ہیں

فتنہ پھیلانے والوں پر غصہ آنا لازم ہے
جو فقیر کامل ہیں وہ غصہ پر قابو رکھتے ہیں

جن کو دیکھ کے لوگوں کے چہروں پہ مسکان آ جائے
میرے صاحب خانقاہ میں دو اک پیو رکھتے ہیں

اشک ندامت لے کر فاروقؔ اُن کے در پر جاؤ تو
بڑی خطائیں کریں معاف یہ ایسی خو بو رکھتے ہیں

فاروقؔ جائسی

قصیدہ درمدح حضرت شاہ منظور عالمؒ قلندر موج شاہی

ذی وقار و علم داں منظور عالم شاہ ہیں
اِس زمیں پہ آسماں منظور عالم شاہ ہیں

مذہبِ انسانیت کا درس ہم سب کو دیا
سب مذاہب کی زباں منظور عالم شاہ ہیں

کوئی بیماری ہو یا دکھ درد ہو سب کا علاج
علمِ حکمت کا نشاں منظور عالم شاہ ہیں

خوش مزاج و خوش بیاں ہمدرد اور پُرسانِ حال
غرباء پرور ، مہرباں منظور عالم شاہ ہیں

آپ ہیں صوفی قلندر موج شاہی سلسلہ
خاندانِ عزو شاں منظور عالم شاہ ہیں

جس کے ہر غنچہ میں کھلتے قومی یکجہتی کے پھول
ایک ایسا گلستاں منظور عالم شاہ ہیں

ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب سے یکساں ہے سلوک
سب کے دِل میں جاوداں منظور عالم شاہ ہیں

آپ کے افکار کی تصنیف ہے گولر کے پھول
بزمِ رسکھان اس کی جاں منظور عالم شاہ ہیں

جس طرف دیکھو انہیں کے نام کا چرچہ ہے آج
داستاں در داستاں منظور عالم شاہ ہیں

یوں تو دنیا کی نظر سے دور ہیں وہ اب جمیلؔ
گوشۂ دِل میں نہاں منظور عالم شاہ ہیں

جمیلؔ قدوائی کانپوری

منقبت

یا شاہِ منظور، روح و نظر کے نور

ہر عاشق کے دِل میں بسے ہیں
پاس ہم کو دیکھ رہے ہیں
ہر عاشق کے دِل میں بسے ہیں
کس نے کہا ہے دور
یا شاہِ منظور ، روح و نظر کے نور

ہم کو مِلی آپ کی نسبت
آپ ہیں شمع راہِ طریقت
پریم محبت الفت چاہت
آپ کا ہے دستور
یا شاہِ منظور ، روح و نظر کے نور

سارے اٹھا کر راز سے پردے
دِل میں اجالا عشق کا کر دے
ایک نظر بس آپ کی کردے
سنگ کو کوہِ نور
یا شاہِ منظور ، روح و نظر کے نور

افضل منگلوری

مدح

نہ پوچھو آپ ہم سے کہ کہاں منظور عالم ہیں
یہاں منظور عالم ہیں وہاں منظور عالم ہیں

ہراک عاشق کے ہونٹوں پر عیاں منظور عالم ہیں
ہراک مجذوب کے دِل میں نہاں منظور عالم ہیں

یہاں تفریق ہو مذہب کی یہ امکان ناممکن
ہراک دِل میں محبت کا نشاں منظور عالم ہیں

ہر اک مذہب کا پیروکار یہ اعلان کرتا ہے
کہ بے شک نازشِ ہندوستاں منظور عالم ہیں

محبت اور اخوّت بھائی چارہ اور یکجہتی
یہ وہ جذبے ہیں جن کے پاسباں منظور عالم ہیں

یہ وہ در ہے جہاں انسانیت کا درس ملتا ہے
کہ ہر عاشق کے سر پر مہرباں منظور عالم ہیں

شفیقؔ اشعار کہنا چاہتا ہوں مدح میں ان کی
کہ میری فکر میں بھی ضوفشاں منظور عالم ہیں

شفیقؔ عابدی

غزل

ابھی تھا پانی یہ سر اُٹھائے مگر وہ اب بلبلا کہاں ہے
اسی طرح ہے زمیں پہ انساں مگر کوئی سوچتا کہاں ہے

ابھی کہاں لطف عاشقی کا ابھی حسیں وہ کھُلا کہاں ہے
ابھی میں اس کا بنا کہاں ہوں ابھی وہ میرا بنا کہاں ہے

مٹا مٹا کر جو خاک کر دے جلا جلا کر جو راکھ کر دے
تری محبت کا میرے دِل میں ابھی وہ شعلہ اٹھا کہاں ہے

کہاں ہے الفاظ کا خزانہ بیاں ہو جس سے حُسنِ جاناں
جو عکس کامل دکھائے اس کا جہاں میں وہ آئینہ کہاں ہے

ہرن سی آنکھیں سیاہ زلفیں گلاب چہرہ شکر سی باتیں
وہ نور پیکر سکون ساماں بس ایک ہے دوسرا کہاں ہے

ہے ذرّے ذرّے میں نور اس کا ہر ایک شے ہے ظہور اس کا
وہ کم نظر ہیں جو پوچھتے ہیں خدا کہاں ہے خدا کہاں ہے

اسی کا جلوہ گگن گگن میں اسی کی خوشبو چمن چمن میں
وہی ہے پھولوں کی انجمن میں وہ روئے زیبا چھپا کہاں ہے

کہاں سے فاروقؔ لے کے آؤں نئے مضامیں کے گل کھلاؤں
بزرگ سب کچھ تو کہہ چکے ہیں مرے لئے کچھ بچا کہاں ہے

فاروقؔ جائسی

غزل

اپنی خاطر یہاں پناہ تو ہے
تیری آنکھوں کی خانقاہ تو ہے

بادشاہت دِلوں پہ ہے جس کی
کوئی ایسا بھی بادشاہ تو ہے

رو بہ رو تیرے کچھ نہیں دنیا
دیکھنے میں یہ خیرخواہ تو ہے

اپنی منزل سے کیسے بھٹکوں گا
مجھ پہ بھی پیر کی نگاہ تو ہے

در بہ در جو ہوا ترے در سے
کل ہی کیا آج بھی تباہ تو ہے

دے رہے ہیں پتہ یہی خدّام
حُسن اور عشق میں نباہ تو ہے

ماسوا تیرے کچھ اگر سوچوں
یہ بھی میرے لئے گناہ تو ہے

کیسے جاؤ گے رو بہ رو اُن کے
دِل تمہارا ابھی سیاہ تو ہے

بن بتائے جہاں ہو سنوائی
شکر ہے ایسی بارگاہ تو ہے

نازؔ کرتا ہوں اپنے مرشد پر
اُن سے روحانی رسم و راہ تو ہے

نازؔ پرتا پگڑھی

غزل

تتلیاں گُل سے لپٹی رہیں گی ، مست بھنورے مچلتے رہیں گے
جشن پر جشن ہوتا رہے گا ، دَور پر دَور چلتے رہیں گے

ایکتا کا جہاں میں نظارا ، پیش کرتا ہے گلشن ہمارا
ہم اسی ایکتا کے سہارے ، سرکشوں کو کچلتے رہیں گے

نام ہے عزم و ہمت کا بھارت ، اک کرشمہ ہے قدرت کا بھارت
اس کے پرچم کے نیچے کروڑوں ، پلتے آئے ہیں پلتے رہیں گے

ہم میں شکتی بھی ہے شانتی بھی ، ہم میں چشتی بھی ویدانتی بھی
اپنے باپو کی آزاد دھرتی سے جواہر اُبلتے رہیں گے

میری دھرتی کے جھلمل ستارے ، مندریں ، مسجدیں ، گردوارے
پیار کے یہ سبھی استعارے ، میرے شعروں میں ڈھلتے رہیں گے

جس کو اقبالؔ و غالبؔ نے لکھا ، جس کو تلسیؔ نے میراؔ نے گایا
ہم وہ نغمیں لبوں پر سجا کر رنگ محفل بدلتے رہیں گے

تو اجنتا کے غاروں میں روشن ، تاج کے تو مناروں میں روشن
جن چراغوں میں خونِ وفا ہو ، آندھیوں میں بھی جلتے رہیں گے

لاکھ طوفاں جلیلؔ آزمائے ، لاکھ دشمن ہمیں ورغلائے
ہم اہنسا کی راہوں میں پھر بھی ، ہم قدم بن کے چلتے رہیں گے

جلیل نظامی۔ دوحہ قطر

گیت

سرسوں کے سنگھار کا موسم
تحفوں کا اُپہار کا موسم
رنگوں کا گلنار کا موسم
چندا کے دیدار کا موسم
ہر موسم ہے پیار کا موسم

گائے جا ملہار
دن جیون کے ہیں چار

دکھ سکھ ، دو جیون کے دھارے
اک دوجے پر وارے نیارے
بہتے ہیں یہ سنگ ہمارے
کس سے جیتے ، کس سے ہارے
سوچتا کیا ہے ندی کنارے

ڈوب کے ہو جا پار
بابا گائے جا ملہار، دن جیون کے ہیں چار

شبدوں کا کھیل تماشا
تیری بولی میری بھاشا
ہر آشا ہر ایک نراشا
ہوجائے گی رتی ماشا
خود ہی اٹھا لے اپنا لاشا

جگ کو ٹھوکر مار
بابا گائے جا ملہار، دن جیون کے ہیں چار

یہ جسموں کی لال حویلی
جیسے دلہن نئی نویلی
لاکھ لکیریں ایک ہتھیلی
پل میں ہو جائے گی پہیلی
تیری قسمت تیری سہیلی

پت جھڑ ہو کہ بہار
بابا گائے جا ملہار، دن جیون کے ہیں چار

بے پر کے پنچھی پھڑکیں گے
صحرا میں بادل کڑکیں گے
سوکھے پتے جب کھڑکیں گے
چٹانوں سے دِل دھڑکیں گے
پانی سے شعلے بھڑکیں گے

کچھ نہ بچے گا یار
بابا گائے جا ملہار، دن جیون کے ہیں چار

نیلا امبر کھولے چھاتا
بانہہ پسارے دھرتی ماتا
توڑ کے بیری جگ سے ناطہ
ٹیک اسی در پر ماتھا
وہی داتا وہی ودھاتا

وہی ہے کھیون ہار
بابا گائے جا ملہار، دن جیون کے ہیں چار

جلیل نظامی ۔ دوحہ قطر

غزل

عکسِ شہکار ہم سبھی میں ہے
ایک فنکار ہم سبھی میں ہے

کوئی بیشک نہ اعتراف کرے
ایک عیّار ہم سبھی میں ہے

اپنی آنکھوں سے جو نہیں دِکھتا
وہ گنہگار ہم سبھی میں ہے

سُنتی رہتی ہے اَن کہی باتیں
ایسی دیوار ہم سبھی میں ہے

خود کی تعریف خود ہی کرتے ہیں
اور یہ آزار ہم سبھی میں ہے

نیناسحر

غزل

مجھے وہ پہلی سی الفت جناب دے جاؤ
چھپایا پھول تھا جس میں کتاب دے جاؤ

کہاں نصیب مجھے چھاؤں تیری الفت کی
نہ مانگوں چاند ، مجھے آفتاب دے جاؤ

کٹے گی عمر فقط خوابوں کے سہارے ہی
ابھی ہے بند پلک ، کوئی خواب دے جاؤ

جو لَوٹنا تھا تمہیں ، پاس میرے کیوں آئے
بس اِس سوال کا میرے جواب دے جاؤ

نگاہیں بھیگی سی ، لب تھرتھرا کے پوچھ رہے
کرو گے کتنے ستم ، تم حساب دے جاؤ

رینومشرا

غزل

صدا کوئی مسلسل آ رہی ہے
تھکن قدموں کو روکے جا رہی ہے

تری امید تیرے در کی خواہش
ادھورے خواب سی تڑپا رہی ہے

اُدھر ٹوٹا ہے تارا آسماں سے
اِدھر خواہش لبوں تک آ رہی ہے

بڑھی رفتار میری دھڑکنوں کی
تری سانسوں کی خوشبو آ رہی ہے

قریب آئے ہیں وہ جب سے ہمارے
ہر اک زنجیر کھلتی جا رہی ہے

الکا مشرا

غزل

ترا ہی آستانہ چاہتی ہوں
یہیں دھونی رمانا چاہتی ہوں

ہے میری روح اک گہرا سمندر
سو خود میں ڈوب جانا چاہتی ہوں

مِری خانہ بدوشی تھک چکی ہے
کہیں کوئی ٹھکانہ چاہتی ہوں

ہے تجھ سے دور جانے کا یہ مقصد
تجھے نزدیک لانا چاہتی ہوں

جو ہاتھوں سے پھسلتے جا رہے ہیں
میں وہ لمحے بچانا چاہتی ہوں

الکا مشرا

غزل

تم سے کس نے کہا ذکرِ غم چھوڑ دے
سچ نہیں لکھ سکے تو قلم چھوڑ دے

کچھ نہ لکھ ، کون سمجھے گا دِل کی زباں
یونہی کاغذ کو اشکوں سے نم چھوڑ دے

لکھنے والا ہے قسمت کا مختارِ کُل
جتنے چاہے لکیروں میں خم چھوڑ دے

زندگی چھوڑ دیتی ہے ایسے ہی ساتھ
ہاتھ جیسے پکڑ کر صنم چھوڑ دے

☆

نا اُمیدی کا یہ عالم ہے تو کیا رہ جائے گا
وقت کے ہونٹوں پہ بس اک تذکرہ رہ جائے گا

لوٹنے والا نہ ہوگا باوجودِ آرزو
لُٹ کے یوں بھی زندگی کا قافلہ رہ جائے گا

ہر ورق پر سے مٹایا اُس نے قصداً میرا نام
یہ خبر کب تھی اُسے ، دِل پر لکھا رہ جائے گا

چہرے مٹنے کے لئے ہیں، چہرے سب مٹ جائیں گے
آئینہ تھا ، آئینہ ہے ، آئینہ رہ جائے گا

شعلے تو کچھ دیر جل کر خود بہ خود بجھ جائیں گے
دِل ہی ایسا ہے جلایا ، جو جلا رہ جائے گا

اقبال خلش

غزل

واقف تھا میرے حال سے آگے نکل گیا
وہ عشق تھا زوال سے آگے نکل گیا

ہر غم کی دیکھ بھال سے آگے نکل گیا
میں اپنی ہی مثال سے آگے نکل گیا

میں بھی نہ تھا حدود میں اُس کے جواب کے
وہ بھی مِرے سوال سے آگے نکل گیا

اُس درد کے ہے نام مِرے دِل کی سلطنت
وہ درد جو ملال سے آگے نکل گیا

اُس کے ہی سامنے ہے طلب اُس کے ہجر کی
لو ، ضبطِ غم کمال سے آگے نکل گیا

مجھ کو یہ کہہ کے ٹال رہا ہے مِرا نصیب
تیرا شکار جال سے آگے نکل گیا

اُس کو کہا گیا ہے زمانے میں جاوداں
وہ عشق جو جمال سے آگے نکل گیا

تو ساتھ ہے تو ساتھ مِرے دِکھتا کیوں نہیں
تو بھی مِرے خیال سے آگے نکل گیا

تونے پلٹ کے دیکھا تھا جس لمحہ ایک بار
وہ لمحہ ماہ و سال سے آگے نکل گیا

اک اجنبی سے غم کے تعقب میں دِل مِرا
سانسوں کی دیکھ بھال سے آگے نکل گیا

اسلم راشد

غزل

مری آنکھوں میں جب بھی تیرے منظر بیٹھ جاتے ہیں
تو ان خالی سفینوں میں سمندر بیٹھ جاتے

کہا کس نے ٹھکانے پر قلندر بیٹھ جاتے ہیں
بظاہر پھرتے رہتے ہیں پر اندر بیٹھ جاتے ہیں

مجھے دنیا کے طعنوں پر کبھی غصہ نہیں آتا
ندی کی تہہ میں جا کر سارے پتھر بیٹھ جاتے ہیں

یوں اُٹھ اُٹھ کر ہمارا بولنا دِکھلائے محرومی
وہ جن کو یار ہو جائے میسر ، بیٹھ جاتے ہیں

ہمیں کو شام نے تنہا رکھا ورنہ یہ وہ پل ہیں
کہ دن اور رات بھی ملنے اُفق پر بیٹھ جاتے ہیں

اے آوارہ خیالو ! اشکباری میں تو رک جاؤ
پرندے بھی تو بارش میں سمٹ کر بیٹھ جاتے ہیں

ہمارا اور اُن کا ربط ہے بس حاضری تک ہی
وہ رسماً نام لیتے ہیں ہم اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں

بڑے چرچے ہیں عالمؔ آپ کی خانہ خرابی کے
خدا کا شکر ہے مقطعہ میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں

مکیش عالم

غزل

جب برے وقت کے امکان نکل آتے ہیں
آشنا لوگ بھی انجان نکل آتے ہیں

تیری آہٹ کے جب امکان نکل آتے ہیں
میرے دروازے کے بھی کان نکل آتے ہیں

مشکلیں سخت سے بھی سخت نکل آتی ہیں
حل بھی آسان سے آسان نکل آتے ہیں

زندگی ایسا خزانہ ہے جسے پانے میں
کھودتے کھودتے شمشان نکل آتے ہیں

مت ہو حیراں کہ تری زلف کی چاہت کر لی
دیوتاؤں میں بھی انسان نکل آتے ہیں

دشتِ دِل تجھ سے ہے آباد وگرنہ یاں سے
شہر کے شہر بھی ویران نکل آتے ہیں

مکیش عالم

غزل

تم ڈوبتی کشتی ہو کہ پتوار ہو کیا ہو
طوفان ہو ساحل ہو کہ منجدھار ہو کیا ہو

تم رہبر و رہزن ہو مددگار ہو کیا ہو
محسن ہو کہ دشمن ہو طرفدار ہو کیا ہو

تم گل ہو کہ غنچہ ہو کہ گلزار ہو کیا ہو
یا تیر ہو خنجر ہو کہ تلوار ہو کیا ہو

شائستہ زباں لہجے میں نرمی ہے تمہارے
شاعر ہو مفکر ہو کہ فنکار ہو کیا ہو

تم کیا ہو سمجھ میں نہیں آتا ہے کسی کے
عابد ہو کہ زاہد ہو گنہگار ہو کیا ہو

دروازے پہ خاموش کھڑے کس لئے ہو تم
دربان ہو داتا ہو طلبگار ہو کیا ہو

کرتے ہو محبت نہ عداوت نہ شکایت
اپنے ہو پرائے ہو کہ غدار ہو کیا ہو

ہونٹوں پہ تبسم ہے نہ چہرے پہ اداسی
شیشہ ہو کہ پتھر ہو کہ شہکار ہو کیا ہو

کیوں دیکھتے ہو غور سے بوسیدہ حویلی
بنیاد ہو چھت ہو در و دیوار ہو کیا

تم کیا ہو یہ مہتابؔ بتائے گا زمانہ
مظلوم ہو ظالم ہو وفادار ہو کیا ہو

سید مہتاب حیدر صفی پوری

غزل

اپنی آنکھوں کو نم نہیں کرتے
غم کی تاثیر کم نہیں کرتے

دِل تو کاغذ ہے اُن کی یادوں کا
اس پہ صدمے رقم نہیں کرتے

تذکرہ اُن کی بیوفائی کا
لوگ کرتے ہیں ہم نہیں کرتے

جلنے والے تو عیب ڈھونڈیں گے
ایسی باتوں کا غم نہیں کرتے

یہ کرم کم نہیں ہے حامدؔ پر
وہ سبھی پہ ستم نہیں کرتے

حامد بھساولی

غزل

کہیں یقین کہیں پر گماں بنا لیا ہے
حصولِ زیست غمِ دلبراں بنا لیا ہے

اسی نے بخشے نئے زاویۓ تخیّل کو
تو اس کے ذکر کو حسن بیاں بنا لیا ہے

وہ معترف ہے جنوں میں فنا پسندی کا
تو خود کو خاک کیا رائیگاں بنا لیا ہے

بلا رہا ہے وہ مجھ کو سراب منظر میں
تو اپنی پیاس کو اب بیکراں بنا لیا ہے

وہ کر رہا ہے مجھے رمز آشنا نصرتؔ
تو اب سفر میں اسے رازداں بنا لیا ہے

نصرت مہدی

غزل

اسے عقل و آگہی سے کوئی واسطا نہیں ہے
یہ ہے عشق کوئی منطق کوئی فلسفہ نہیں ہے

مِری عاشقی کا قصہ تو ڈھکا چھپا نہیں ہے
یہ ہے اور بات دنیا مِری ہمنوا نہیں ہے

دلِ زار کو تو لے کر میں چلا ہوں اس گلی میں
کہیں کہہ نہ دے وہ ظالم مِرے کام کا نہیں ہے

یہ نظر کی وسعتیں بھی کوئی کم نہیں ہیں لیکن
تجھے دیکھنے کی حد تک کوئی دیکھتا نہیں ہے

مِرا ہمسفر نہیں وہ جو چلے سنبھل سنبھل کے
جو قدم قدم پہ دم لے مِرا رہنما نہیں ہے

مِرے دِل میں آنے والے یہ نقابِ رخ الٹ دے
کہ یہاں ترے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے

مِرے غم کی قدر و قیمت کوئی کیا سمجھ سکے گا
مِرے پاس کیا ہے اے حقؔ، مِرے پاس کیا نہیں ہے

حق کانپوری

غزل

محبتوں کے اجالے جو پائے جاتے ہیں
یہاں چراغ نہیں دِل جلائے جاتے ہیں

یہ مست آنکھیں برستے ہیں جن سے جامِ شراب
اِنہیں سے بگڑے مقدر بنائے جاتے ہیں

مِلے مِلے نہ مِلے بھیک ہم فقیروں کو
تری گلی میں صدائیں لگائے جاتے ہیں

یہ بارگاہِ محبت ہے باادب بیٹھو
یہاں پہ آدمی انساں بنائے جاتے ہیں

وہ پہلے پہل خیالوں میں میرے آتے تھے
غضب ہے اب تو وہ دِل پر بھی چھائے جاتے ہیں

ٹھہر ٹھہر کے اُنہیں دیکھتے ہیں دیوانے
وہ جاتے جاتے قیامت اٹھائے جاتے ہیں

ہمارا چاند ہمارے قریب ہے رونق
اندھیری رات میں ہم جگمگائے جاتے ہیں

رونق کانپوری

غزل

اے محبت سے نظر پھیر کے جانے والے
تجھ کو کیا کیا نہ کہیں گے یہ زمانے والے

ہاں محبت ہے، بہت اُس سے محبت ہے مجھے
کیا بگاڑیں گے مِرا ، شور مچانے والے

مِل گیا کیا تجھے سچ سچ یہ بتانا ہوگا
عشق کی آگ مِرے دِل میں لگانے والے

میرے ہونٹوں پہ مسرت کی کرن کیا آئی
آ گئے سینکڑوں احسان جتانے والے

اپنی دستار حریفوں سے بچائے رکھنا
تاج کانٹوں کا مِرے سر پہ سجانے والے

کہیں مسمار نہ ہو جائے ترا راج محل
اے نشیمن کو مِرے آگ لگانے والے

شکریہ تیرا سلیقہ سے ادا ہو نہ سکا
اے مِری کشتی کو طوفاں سے بچانے والے

میری آنکھوں میں ابھی تک وہی منظر ہے عتیق
غرق کرنے میں بھی شامل تھے بچانے والے

عتیق فتح پوری

غزل کی شاعری کیا ہے؟

حضرت شاہ منظور عالم قلندر موج شاہی

کسی نے کوئی بات نثر میں کہی، اور اثر نہ ہوا اور وہی بات کسی نے شعر میں کہہ دی اثر ہوگیا۔ سننے والے کا دِل پسیج گیا، پتھر پگھل گیا۔ میرے نزدیک غزل کی شاعری اسی کا نام ہے، اگر اتنا اثر نہ ہوا تو میں اسے غزل کی شاعری نہیں مانتا اور شعر کہنے کا فن جاننا تسلیم نہیں کرتا۔

چمن میں جائیے، پھول کھلے ہیں، شاخیں ہری ہیں، رنگ رنگ کا سماں ہے۔ کوئل کوکتی ہے، پپیہا پیہک رہا ہے، زمین پر فرشِ مخمل کی طرح گھاس بچھی ہے، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے، تراوٹ کا ایسا اثر ہے کہ روح جھومنے لگی ہے، رنگوں کا حسن دیوانہ بنائے دیتا ہے اور آنکھوں میں وہ منظر ایسا بس جاتا ہے کہ گھڑی دو گھڑی بھلائے نہیں بھولتا۔ جتنا اثر پڑا اور ذہن میں بسا اُسے ایک شعر میں باندھ دینا کہ سننے والا وہی محسوس کرنے لگے جو کہنے والے نے محسوس کیا ہے اور وہی لطف حاصل کر لے جو دیکھنے والے نے حاصل کیا ہے۔ یہی غزل کی شاعری ہے۔

کسی کے گھر گئے، موقع خوشی کا تھا، آنے جانے والے مسرور تھے، قہقہوں کی پچکاریاں چھوٹ رہی تھیں، انداز دلبرانہ کشش رکھتا تھا اور وہ کشش جان و دِل میں رچی بسی جا رہی تھی۔ جانے کے بعد آنے کو دِل نہیں چاہتا تھا اور آنے کے بعد دِل پر لوٹ آنے کی کسک موجود تھی، یہ ساری روداد ایک شعر میں باندھ دینا اور اس طرح کہہ دینا کہ سننے والا جو کچھ سُن رہا ہے اُسے اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کر لے۔ اسی کو غزل کی شاعری کہتے ہیں۔

کسی حادثے کا شکار کوئی مِلا، اُس نے غم انگیز داستان سُنائی، دکھ درد کی بستی میں کیا کچھ گزرتی ہے اُسے اس طرح بتایا کہ سننے والے کا سینہ پھٹنے لگا۔ جس نے سنا اُس کے آنسو نہ رُک سکے، غم سمیٹے ہوئے دامن میں اٹھا اور اسے شعر میں اس طرح باندھا کہ وہی غم دوسروں نے محسوس کیا اور اسی طرح سننے والے کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اسی کو غزل کی شاعری کہتے ہیں۔

چڑیا گھر، عجائب گھر، مِل، کارخانہ، گاؤں کھیتی کسانی، سودخوار، چڑی مار، تیماردار، مالدار، مفلس نادار، خریدار، بے کار، باکار، مشعلچی، طرحدار، فلسفی، ناؤکار، عقلمند، دمدار، سایہ دار، بے دار، دلدار سب کو اپنے میں سمونے کا مزیدار شاندار طرفہ دار آتشبار زمانے میں یادگار انداز ے پائدان غزل کو میسر ہے لیکن ہم اسی وقت اُسے غزل کا شعر سمجھتے ہیں جب وہ تمام طرح کے بیان کا سننے والے پر اثر چھوڑ جائے۔

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری پتلون پہنے انگریزی میں سوچتے اور اردو میں لکھتے ہوئے یہ شعر سنتے کہ ـــ

جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا
پر وہی گر پڑا کبوتر کا

تو اپنی نادانی کو دانائی سمجھتے ہوئے فرماتے کہ یہ کیا گھٹیا پن ہے، منھ بناتے، شکل بگاڑتے اور فرماتے کہ یہ لوگ یہی سب بلبل و کبوتر، گُل و گلزار، نام و پیام، در دیار ستمگار بیان کیا کرتے ہیں۔ کاش! انگلینڈ جا کر دیکھتے، کیسا ہم نے جا کر دیکھا کہ کس طرح دریا کے کنارے بیٹھ کر گدھے گھوڑے، الّو چمگادڑ پر شاعری کی جاتی ہے، یہی شعر جب شبلی نعمانی کی قلم پر آتا ہے اور وہ ایک انگریز مؤرخ کی بے ایمانی کے سلسلہ میں کہ اُس نے واقعہ لکھتے لکھتے ایک خاص جملہ غائب کر دیا اور اُس سے بات ہی بدل گئی، استعمال کرتے ہیں تو پورا مضمون چمک اٹھتا ہے، اُن کی دو چار پیراگراف میں کہی ہوئی باتوں میں جان سی پڑ جاتی ہے اور جان پڑتا ہے کہ شعر نے بے جان عبارتوں میں روح پھونک دی۔ یہ ہے غزل کی شاعری۔

فراق گورکھپوری بتاتے ہیں کہ جب ہم بچے تھے تو اپنے والد کے دفتر میں جا کر میز پر بیٹھتے تھے اور کرسیوں کو ریل بنا کر کھیلتے تھے اور جب عقل جوان ہوئی تو یہ سمجھ آ گئی کہ ہمارے والد وکیل ہیں، یہ اُن کا دفتر ہے اور ان کرسیوں پر اُن کے مؤکل بیٹھتے ہیں۔ پھر جب والد کا انتقال ہوا اور ہم کبھی گورکھپور گئے تو دیر تک میز اور کرسیوں کو دیکھتے رہتے تھے، دِل بھر آتا تھا، جذبات دِل و دماغ کو جکڑ لیتے تھے اور ہم سوچتے رہتے کہ یہاں اُس کرسی پر ہمارے والد بیٹھتے اور اور ان کرسیوں پر ان کے مؤکل۔ فرماتے ہیں کہ بس یہیں سے اردو غزل کی شاعری شروع ہوتی ہے

آپ پہلے قصے پہ غور فرمایئے بچکانہ انداز ہے سوچنے کا ہندی کے عقلمند اور اردو کے بے عقل زیادہ تر اسی طرز طفلانہ کے ساتھ جڑے جذبات سے خالی، مغز غائب صرف بھوسا ہوا میں اڑاتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے حصہ پر غور کیجئے، غرور میں اپنے کو افلاتون اور ارسطو سمجھنے والے دانشور بننے والے، سڑی عقل سے نہایت پتھریلی باتیں کرنے والے کہ جہاں رہیں پورا ماحول پتھریلا ہو کر گھٹن پیدا کرنے لگے اور آدمی کو موم کے بجائے پتھر اور اگر دان کے بجائے نابدان بنا دے جیسے جوش ملیح آبادی اور سردار جعفری۔ ایسی شاعری پر وہ روئے جس کے دیدے پھوٹ جائیں۔ اُن پر تو رونے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اب رہا تیسرا حصہ یہیں سے شاعری شروع ہوتی ہے اگر اس طرح کی زمین موجود ہے تو وہ شعرا گتے ہیں کہ جنھیں دنیا کبھی بھلا نہیں پاتی۔ ان میں طرح طرح کے رنگ، موقع ۔موقع پر ذہنوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں کہ انہیں یاد رکھا جائے اور کہہ کر خود تڑپا جائے اور دوسروں کو تڑپایا جائے۔ اُن سے نکلنے والے جذبات سے دِل کو نرم اور روح کو گرم بنایا جائے۔ اسی کو غزل کی شاعری کہتے ہیں۔☆

﴿قطعہ﴾

نظر نظر میں ہے جلوہ حضور صاحب کا
حَسین کتنا ہے چہرہ حضور صاحب کا
تمام اہل عقیدت سلام کرتے ہیں
بلند کتنا ہے رتبہ حضور صاحب کا

شفیق عابدی

جذب و مستی کا شاعر

ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں)

بے مستی کے ہستی کیا ہے، سا جن بنا یہ بستی کیا ہے
مست بنو تو پھر ہر لمحہ ساتھ سجن کے رہا کرو

حضرت شاہ منظور عالمؒ کی ساری زندگی اس شعر کی مکمل تفسیر ہے، عشق و محبت، جذب و مستی، بے خودی و ہشیاری، دلداری و جہاں سے بے زاری، کشادہ دلی، وسعت قلب ونظر، غرض ہر صفت آپ کے اندر موجود تھی جس سے قلندری عبارت ہے۔

ایک صوفی جو اسرار و رموز مراقبے میں بند آنکھوں سے دیکھتا ہے قلندر ان کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی مستیٔ وجود کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ کھلی آنکھوں کے مشاہدے سے جو لہر دِل میں اٹھتی ہے اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں عبد و معبود میں ''دیکھا سنی'' ہوتی ہے اور بندہ اپنے وجود سے بے خبر ہو جاتا ہے جسے عام انسان مجذوبیت کا نام دیتا ہے اور جو اس کیفیت سے لاعلم ہیں وہ اسے دیوانگی اور پاگل پن کہتے ہیں۔

صوفی جب جذب و مستی کی اس کیفیت سے آشنا ہوتا ہے تو اس پر وحدت الوجود کے اسرار کھلنے لگتے ہیں اور اسے ہر شئے میں ایک ہی شئے نظر آتی ہے۔

میں اور کسے دیکھوں جب اور نہیں کوئی
ہر ذرۂ عالم میں تم خود ہی سمائے ہو

اور پھر وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

اب نہیں اور تماشے کی تمنا کوئی
آپ کے بعد تو جچتا نہیں جلوہ کوئی

لیکن یہ مقام از خود حاصل نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے پیر کامل کی رہبری لازمی ہوتی ہے کہ

''سالک بے خبر نبود ز رسم و راہِ منزلہا''

معرفت کی دشوار گزار گھاٹیوں سے پیر کامل نہ صرف واقف ہوتا ہے بلکہ اتنی روحانی قوت کا حامل ہوتا ہے کہ اپنے مرید کو بآسانی ان مراحل سے گزار کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے جس کا اعتراف شاہ صاحبؒ کو بھی ہے۔

جی گئے وہ نظر ہوئی ورنہ
جی نہ پاتے اگر نہیں ہوتی

یہ ''جی جانا'' ہی منزل مقصود کے حصول کا اشارہ ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں ''جی جانا'' کا مطلب ہے ''بقاباللہ'' یعنی ذاتِ احدیت میں خود کو فنا کر دینا۔ صوفی فنافی الشیخ، فنافی الرسول کی منزل سے گزر کر فنافی اللہ اور پھر بقاباللہ کی منزل تک پہنچتا ہے۔ یہ مقام پل صراط سے بھی زیادہ نازک تر ہے۔ صوفی جب تک اپنے دِل ہی دِل میں اس کی لذت سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے مقاماتِ ملکوت کی نیرنگیوں سے اس کا قلب نمو پاتا رہتا ہے۔

بقابااللہ کا مقام معرفت کی آخری منزل ہے، جس طرح ایک پُرشور دریا سمندر میں مل کر پُرسکون ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک صوفی اس مقام پرپہنچ کر اپنا آپ کھودیتا ہے۔ پھر وہ ''من تو شدم تو من شدی'' کےمثل ہو جاتا ہے۔

معرفت کے اس مقام کی ابتدا محبت سے ہوتی ہے جس کا آغاز مرشد کی محبت سے ہوتا ہے۔ جب مرشد مرید کو ہر شئے سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے تو وہ بلاتردد کہہ اٹھتا ہے۔

زاہد تجھے کیا آئے نظر کعبے کے اندر
کہتے ہیں جسے عرش وہ مرشد کی گلی ہے

تصوف کی ایک اصطلاح ہے ''تصورِ شیخ''، یعنی ہر وقت شیخ کا دھیان دِل میں رکھنا اور خصوصاً مراقبے میں شیخ کو اپنے رو بہ رو محسوس کرنا روحانی ارتقا کا سبب بنتا ہے۔ اسی لئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ایک تجلی ایک تماشا ایک کی پوجا ایک سے ناطہ
دھیان دھرو گرو مورت اندر من کی مالا جپا کرو

تصورِ شیخ، فنا فی الشیخ میں بدل جاتا ہے اور مرید کو اپنی صورت اپنی کایا مرشد کے مماثل نظر آنے لگتی ہے۔ یہ بڑا ہی سخت مقام ہے۔ اس سے نکلنے کے بعد ہی فنا فی الرسول کی منزل ملتی ہے۔ یہاں مرید کی محنت و ریاضت کام نہی آتی بلکہ مرشد کی توجہ اسے اوپر اٹھاتی ہے اور پھر مرید عالم ملکوت و جبروت کی سیر کرتا ہے۔

مرشد کی محبت یہاں رسول کی محبت میں بدل جاتی ہے اور تصویرِ شیخ مدھم ہوتی چلی جاتی ہے اور حبّ رسول دِل میں گھر کرتی جاتی ہے اور سالک محبت رسولؐ میں ڈوب کر عشق کی اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ دنیاوی علائق سے پاک ہو جاتا ہے اور یہاں آ کر وہ اپنے مرشد کی عنایات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

مجھ پر مرے حضور نے ایسی نگاہ کی
جیسے کسی غریب پر عالم پناہ کی

اس عشق کی مختلف کیفیات کا اظہار حضرت شاہ صاحب کے اشعار میں بڑی خوبصورتی سے ہوتا ہے۔

یہ عشق بھی کچھ عجیب شئے ہے اسی کا غم ہے پسند اس کو
کہ ہے وہ ہر دم نظر میں اس کی اسی کو ہر دم پکارتا ہے

عجب تھی بے قراری دِل کو مشکل سے قرار آیا
کہ جب ہم مٹ گئے اس پیار میں تب اس کو پیار آیا

جہاں میں ہوش پھر ملنے کبھی آیا نہیں اس سے
جسے دیکھا محبت نے اسے ایسا خمار آیا

یہ عشق جب سر چڑھ جاتا ہے تو کمزور طبع لوگ حواس باختہ ہو جاتے ہیں جنھیں عرف عام میں مجذوب کہا جاتا ہے اور جو اس کو دِل میں اتار لیتا ہے وہ انوار الٰہی کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا یہ عالم ہوتا ہے کہ۔

میخانے میں ہم آئے تو دنیا بدل گئی
آ آ کے حالِ دیر و حرم پوچھتے رہے

اور اس مقام پر شاعر عشق کی جے جے کار کرتا ہے۔

کتنے ہی صنم خانے محبت کے سجائے
اے عشق تری جے ہو عجب دھوم مچی ہے

یہی عشق ایمان ویقین کی بنیاد بنتا ہے اور عاشق اپنا تن من دھن سب معشوق پر قربان کر دیتا ہے۔ بس کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے۔

وار دوں یہ زندگی جان وجگر کیا چیز ہے
منتظر ہوں حکم کا کچھ تو کبھی فرمایئے

حکم کا یہ انتظار عاشق کے دِل میں جذبۂ خودسپردگی پیدا کرتا ہے جو یقین تک جا پہنچتا ہے۔

جس کا نصیب آپ کے قدموں سے جا مِلا
کیسے بتاؤں آبرو اس گردِ راہ کی

یاد رکھئے گا کہ بندہ آپ کا محتاج ہے
بس عنایت آپ کی مِلتی رہے جی جائے گا

خودسپردگی کا یہ جذبہ عاشق کے دِل میں یقین کی وہ شمعیں روشن کرتا ہے جنھیں طوفان بھی بجھا نہیں سکتا۔

تم ہو فانوس بن کر بچائے ہوئے
یہ دیا یوں ہواؤں میں جلتا نہیں

کشتیٔ دِل چھوڑ دو اس کے سہارے جس کی ہے
اس کی رحمت ہی کنارے خود بہا لے جائے گی

مجھے یہ محسوس ہونہ پایا کہ میرا کوئی نہیں جہاں میں
کہ جب بھی امید کوئی ٹوٹی وہ دِل کو میرے سنبھالتا ہے

اس ہستی سے یہ رشتہ یوں ہی قائم نہیں ہوگیا۔

اس کی گلی میں عمر بِتانا کھیل جو سمجھا تو سمجھے
مدت تک دی اس کی دہائی تب اس نے انعام کیا

اور یہ انعام وہ ہے جس کی تمنا میں عشاق کا جگر خون ہو جاتا ہے۔

تمہیں دیکھنا بھی ارے بندہ پرور
مقدر سے ملتا ہے اس زندگی میں

یہ دیکھنا کیا ہے؟

وہ جو برق چمکی تھی طور پر یہی حسن تھا وہاں جلوہ گر
جسے سجدہ کرتے زمین پر مری ساری عمر گزر گئی

وہ برقِ طور شاعر کو کہاں نظر آتی ہے پیکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

وہ تو ایک پیکرِ نور تھا کوئی خاص اس میں ضرور تھا
کہ جہاں جہاں وہ قدم گئے یہ زمین خوشبو سے بھر گئی

شاعر اس تجلی کے دیدار پر شکر ادا کرنا لازم جانتا ہے۔

شکریہ ادا کرتے عمر بیت جائے گی
اس طرح مری دنیا آپ نے سنواری ہے

شکر گزاری کا طریقہ ذکر کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

زخمِ دِل سو گئے یاد کر کے اُنہیں
یاد کا اک دِیا جھلملانے لگا

اس کی یاد ہی اس کا ذکر ہے جو سارے زخموں کو بھر دیتا ہے اور انسان کو ایک ابدی وسرمدی سکون سے آشنا کرتا ہے۔

اردو فارسی شاعری میں شیخ، زاہد، محتسب، واعظ اور علمائے سو پر بڑے گہرے طنزیہ اشعار ملتے ہیں۔ حضرت شاہ منظور عالمؒ کے یہاں بھی ایسے اشعار موجود ہیں۔

ایک بار میرے ایک شاگرد نے کلاس میں پوچھ لیا تھا کہ سر یہ شاعر حضرات ان بزرگوں کے اتنے خلاف کیوں

ہیں اور جا و بے جا انھیں طنز و تشنیع کا نشانہ بناتے رہتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ اس وقت یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی، ہاں تصوف اور اہل تصوف کی زندگیوں کا مطالعہ کرو تو شاید معلوم ہو سکے۔

واقعۂ کربلا سے لے کر آج تک واعظ و محتسب جیسی ہستیاں اہل اللہ کے خلاف صف آرا رہی ہیں ۔ حضرت امام حسینؓ کی اولادِ امجاد میں کئی نے انھیں زہاد و شیوخ کی سازشوں کے طفیل جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اتنا ہی نہیں حضرت محمد حسین منصور حلاجؒ، سیدی مولاؒ، صوفی سرمدؒ، حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت شیخ آدم بنوریؒ جیسی نہ جانے کتنی متبرک ہستیوں نے ان کے ہاتھوں زک اٹھائی ہے۔ کیا ہارون الرشید، کیا تغلق، کیا اورنگ زیب ان جیسے بادشاہوں نے اپنی حکومتوں کے استحکام کے لئے نہ جانے کتنے بزرگوں کو تہ تیغ کر دیا۔ داراشکوہ جو حضرت میاں میر لاہوریؒ کا خلیفہ اور اپنے عہد کے متصوفین میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا اسے صرف حکومت کے لالچ میں اورنگ زیب نے نہ صرف قتل کر دیا بلکہ تین دن تک اس کی لاش کو ہاتھی سے باندھ کر دلی کی گلیوں میں گھمایا تاکہ پھر کوئی سر اٹھانے کی جرأت نہ کرے ۔ یہی وجہ ہے کہ شعرا خصوصاً صوفی شعرا نے واعظوں اور محتسبوں کو اپنے طنز کا ہدف بنایا ہے۔

حضرت شاہ منظور عالمؒ کے یہاں بھی ایسے اشعار موجود ہیں ۔ ان میں صرف طنز و تشنیع نہیں ہے بلکہ عاشق صوفی اور دنیادار واعظ کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تم نے ابھی نماز عشق دیکھی نہیں ہے زاہدو
سجدے سے پھر اٹھا نہ سر جلوۂ یار دیکھ کر

نہ جانے کتنے دن لگتے ہیں اس دِل کو سجانے میں
چمک مشکل سے آتی ہے محبت کے فسانے میں

تمہیں معلوم کیا ہوتا ہے اس دِل کے لگانے میں
جنابِ شیخ تم نے کچھ نہیں دیکھا زمانے میں

اگر تم نے مِرے محبوب کا جلوہ نہیں دیکھا

حضرت شاہ صاحبؒ کے طنز میں سنجیدگی و متانت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے جو آپؒ کی بردباری اور نرم مزاجی کی واضح دلیل ہے۔

حضرت شاہ منظور عالمؒ صاحب کا عالم انسانیت پر ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ انھوں نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نے بین مذہبی محبت کا جو بیج بویا تھا یعنی ہر مذہب اور ہر قوم کے ماننے والوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا۔ ان کے مریدین میں ہندو، سکھ اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بھی کثیر تعداد میں تھے۔ آپ کے سلسلے کے بزرگوں، حضرت نعیم شاہ بہرائچی اور حضرت احمد خاں صاحب نے اس روایت کو اور بھی استحکام بخشا یہاں تک کہ احمد خاں صاحبؒ نے ایک غیر مسلم کو نہ صرف بیعت فرمایا بلکہ اس کی تعلیم و (بقیہ صفحہ ۵۰ پر)

موج شاہی رنگ کا تخلیقی اظہار

سراج اجملی

''گولر کے پھول'' کے مصنف حضرت منظور عالم شاہ قلندر موج شاہی کا یہ کلیات اولاً چھ حصوں میں ہندی رسم الخط میں اسمرتی فاؤنڈیشن کانپور سے شائع ہوا ۔ اسی فاؤنڈیشن نے دسمبر ۱۹ر میں کلیات کو اردو رسم الخط میں شائع کیا اور بہت اہتمام کے ساتھ ۱۵ر دسمبر ۱۹ر کو کانپور میں اس کی رسم اجرا کا جلسہ منعقد کیا۔ اسی تقریب میں راقم الحروف کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی اور اس کی عزت افزائی ہوئی۔

گولر کا پھول ہماری تہذیب میں برکت کا استعارہ ہے۔ لغات میں اس بابت بہت ساری تفصیلات درج ہیں اور ان کی سند میں اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں ۔ مہذب اللغات میں لکھا ہے کہ ''گولر کے پھول کے بارے میں عوام کا خیال ہے کہ یہ دیوالی کی رات میں نکلتا ہے اور اس کو پریاں لے جاتی ہیں، نایاب چیز سے کنایہ ہے، جو اشعار اس گفتگو کی سند میں درج ہیں ان میں سے ایک دو یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔

تیرے مریض لب کی دوا جب تلاش کی
گولر کا پھول باغ میں عناب ہو گیا
(بحر)

سودائے زلف یار میں گل کھائے شمع نے
گولر کے پھول پھولے دوالی کی رات میں
(منیر)

بلبل اگر نصیب میں ہے تو دکھائیں گے
گولر کا پھول وہ ہے ہمارا جو کھل گیا

ان اشعار سے بھی جو بات مترشح ہوتی ہے وہ یہی کہ گولر کا پھول برکت کا استعارہ ہے ۔ شاہ منظور عالم کے دیوان کے گولر کے پھول سے موسوم ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے ۔ اس وجہ کو ہم ادبی اصطلاح کا استعمال کریں تو زمرۂ تلمیح میں شامل کر سکتے ہیں ۔ شاہ منظور عالم جنھیں ان کے معتقدین حضور صاحب کہتے ہیں ایک مست حال موج شاہی قلندر ہیں اور حضرات چشت اہل بہشت کے زبردست معتقد۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری سے ان کا تعلق عجیب وغریب ہے ان دونوں حضرات کے تو شاہ منظور عالم عاشق وفدائی لگتے ہیں جس کے ثبوت میں گولر کے پھول کے بڑے حصے کو پیش کیا جا سکتا ہے جو مختص ہے مذکورہ بالا دونوں چشتی بزرگوں کے مناقب سے۔

''گولر کے پھول'' کا تعلق حضرت مخدوم علی احمد علاء الدین صابر کلیری سے براہ راست ہے کہ آپ کے احاطۂ خانقاہ میں ایک بہت بڑا گولر کا پیڑ موجود ہے جس کے بارے میں کتب سیر و تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ دوران مجاہدہ مدتوں اس گولر کی ایک شاخ کو پکڑے ہوئے عالم حیرت میں

کھڑے رہے۔آج بھی کلیر شریف حاضر ہونے والے زائرین تبرک کے بطور اس گولر کے پھل کو لے آتے ہیں۔

اب دو باتیں ہو گئیں ایک تو یہ کہ بطور عام ہندوستانی تہذیب میں گولر کی اہمیت اور دوسرے سرکار صابر پاک کے دربار سے گولر کا تعلق اور شاہ منظور عالم موج شاہی کا دربار صابری سے تعلق۔اسی تعلق نے شاہ منظور عالم کو اپنے دیوان کو ''گولر کے پھول'' سے موسوم کرنے کی جانب راغب کیا ہوگا۔

جہاں تک بات برکت کی ہے تو منظور عالم شاہ قلندر موج شاہی کی ذات اور ان کے اثرات دونوں سے برکت بایں صورت وابستہ ہے کہ ایک خلق خدا ان سے وابستگی کے باعث دولت سکون و اطمینان قلب حاصل کرتی ہے۔اس حصول اطمینان کے لئے آپ کا حسب نسب، تعلیم و تہذیب، مذہب اور فرقے، زبان اور کلچر، کسی کی کچھ اہمیت نہیں بس ان کے رنگ میں رنگ جانے کی شرط اول و آخر ہے۔یہی سبب ہے کہ موج شاہی ان بزرگ کے معتقدین میں معاشرے کے ہر طبقے کے افراد شامل ہیں اور سب ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔

یہ رنگ کی اصطلاح بھی صوفیائے چشت کے یہاں اپنا ایک الگ رنگ رکھتی ہے۔مراسم خانقاہ میں ایک رسم بھی رنگ کہلاتی ہے۔اس حوالے سے امیر خسرو کا کلام بھی چشتی خانقاہوں میں قوال بہت اہتمام کے ساتھ گاتے ہیں'' آج رنگ ہے ھے ری ماں آج رنگ ہے'' لیکن اصل رنگ جس میں رنگنے کی ترغیب دے کر چشتی صوفیا نے بطور خاص اپنی خانقاہوں کے ذریعے یگانگت اتحاد اور یکجہتی کا جو پیغام دیا اس کے ڈانڈے ''الخلق عیال اللہ سے مل جاتے ہیں اور صوفیوں کا رنگ صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) سے آمیز ہو جاتا ہے۔

''گولر کے پھول'' کے صفحات پر یہ رنگ اپنے اظلال (Shades) طرح طرح دکھاتا ہے۔

موری پیر ہمرو رنگائے دا چنری
مارے جھلکیا کہیں لوگ سنری

اے خواجہ پیا ہو رنگائے دا ہمرو

☆

دنیا ہماری رنگ دِل میں ڈوب جائے

یاد ایک ہی ہو بس اور کچھ نہ یاد آئے
پاس آئے گھڑی گھڑی، گھڑی گھڑی دور جائے
ایک ہی کی بانہہ پڑے ساری عمر بیت جائے
راج بڑھے تاج رہے سر پہ تمہارے
ہم غلاموں کو صدقہ دلانا

اس بیان کے رنگ کو آپ کسی قاعدے کے تحت نہیں لا سکتے جو آپ نے بنائے ہیں اس کا رنگ سب سے جدا اور اپنے خاص رنگ میں ہے جو مستی کا متوالے پن کا اور والہانہ انداز کا رنگ ہے۔اسی قسم کا ایک اور بیان ملاحظہ کیجئے

ان کا کھلا مدھو شالا
مستوں کو بانٹیں پیالا
دریا دلی میں نرالا
گولر کی چھیاں والا

دِل و جاں اس کے حوالہ
پیّاں پڑت رہیو سجنی

اونچی اٹاری صابر کی ہمرے
پریت کی خوشبو ہر سو لہرے
کیئسے بنے ہیں موریا بنرے
موتیوں کی لڑیوں میں رنگ سنہرے

☆

گولر تلے جو چھاؤں ہے وہ اور دنیا میں نہیں
اس چھاؤں میں یہ خاک بھی پہنچے کبھی عرش بریں
صابر ولی صابر ولی

☆

رنگوا چمکے سدا بہاری
خوشبو مہکے جان سے پیاری
جان سے پیاری یہ دلداری
ھے رنگریز میں جوبن ہاری

☆

مورے ساجن تمہرے کرن ایسی جوت جگی
مولا برسن لاگے موتیا چنن کو نکلی

پہلی موتی نور مجسم دونوں جگ اُجیاری
دوسر موتی علی گسیّاں نور عرش سے جاری
مائی زہرا تیسر موتی عرش فرش اُجیاری
چوتھی پنچئیں حسن حسین اُن جگ رکھواری
میری صورت اُن کی صورت دونوں ایک ہوئی
اندر باہر نیچے اوپر موتی برس پڑی
مولا برسن لاگے موتیا چنن کو نکلی

حضرت منظور عالم شاہ موج شاہی کے کلام سے ایک ہی رنگ کے اتنے اقتباسات میں آپ کے ملاحظے کے لئے درج کرتا چلا گیا۔ ان تمام مثالوں میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور دامن دِل کو اپنی جانب کھینچتی اسے ہم اپنی آسانی کے لئے کیف یا سپردگی یا پیر کے رنگ میں رنگ جانا (پیر کو ''ر'' کے بغیر بھی پڑھا جا سکتا ہے) کہہ سکتے ہیں۔ تصوف میں ارتقائی مراحل کی تین بہت روشن صورتیں ہیں جنھیں فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب اس روشنی میں ترتیب وار اقتباسات (جو گزشتہ صفحات میں پیش کئے گئے) ملاحظہ کریں۔ شروع کی مثالوں کو ہم فنا فی الشیخ کے زمرے میں رکھ سکتے ہیں جہاں حضرت صابر کلیری اور خواجہ غریب نواز کے حوالے سے جذبات تعلق ایک خاص کیفیت کے ساتھ نذر کئے گئے ہیں۔ پھر زینہ بہ زینہ فنا فی الرسول کے مرحلے تک اسی انداز میں سلسلہ بڑھتا گیا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ رسول تک پہنچنے کے لئے اہم مراحل میں کبھی خواجہ بزرگ کا نام آتا ہے تو کبھی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کا، کبھی حضرات حسنین علیہم السلام کا ذکر آتا ہے تو کبھی جناب سیدہ اور مولائے کائنات کا۔ میں نے جو اقتباسات آپ کی خدمت میں پیش کئے ان میں ظاہراً تو ان محترم و مقدس ہستیوں کے مناقب ہیں لیکن اگر آپ چشم دِل سے ان اقتباسات کا مطالعہ کریں تو ان میں لفظیات، مضامین، صنائع و بدائع وزن و بحر باہم آمیز ہو کر ایک ایسے رنگ کی بہار دکھائیں گے جہاں کیف و مستی اور سرشاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہو گی اور اس رنگ کا اثر

قاری کو بھی سامع اور سامع کو قائل کے درجے تک پہونچاتا نظر آئے گا۔اسی کیفیت کو امیر خسرو جیسے عاشق نے اس شعر کے ذریعہ بیان کیا ہے ۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اب ہم آپ کی خدمت میں ''گولر کے پھول'' سے ان اشعار کو پیش کرتے ہیں جن میں رام لفظ کے استعمال سے معنی قائم کئے ہیں ۔

تمہرے دوارے مانگن آویں راجا پرجا رنک فقیر
ہم ہوں بھیک دیا کی مانگیں ہمرو ''رام'' گزارا ہوئے

ایک تمنا ہے یہ میری مِلوں میں اپنے ''رام'' سے
من مندر میں دیپ جلا کر بیٹھ گیا ہوں شام سے

دنیا سے کیا کہنا سننا اس سے مت کچھ کہا کرو
رام بھروسے رہنے والو رام بھروسے رہا کرو

کوئے صنم میں عمر گزاری ان کو اپنا رام کیا
ہم نے اس کی فکر نہیں کی کس نے کیوں بدنام کیا

پاپی من کو رام دوارا جیسے ندیا ناؤ کنارہ
من مندر میں سرجن ہارا دین دیال سدا کرپالا
چلے پوربی بیریا ہو راما من لہرائے
اٹھے ہوک کریجئے ہو راما کیسے جیا جائے

مثال میں پیش کردہ ان اشعار کے آخری شعر سے اگر گفتگو شروع کی جائے تو اس میں رام یا راما خدایا معبود یا محبوب و معشوق کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ من کی موج یا فقیر کی ترنگ یا نعرۂ مستانہ کے بطور استعمال ہوا ہے۔ یہاں ایک نادیدہ مخاطب سے حال دِل بیان ہورہا ہے اور پوروا ہوا کے باعث دِل محزوں پر ہونے والے اثر کو پوربی لہجے میں ہی بیان کیا جارہا ہے جگر کے لئے خالص پوربی انداز ''کریجوا'' کہنا ایک خاص کیفیت ہجر کی غمازی کرتا ہے۔اس سے پہلے شعر میں من کے مندر کا سرجن ہار اور سدا کرپالا ظاہر سی بات ہے وہی رام ہے جو کبیر سمیت متعدد فقیر شعرا کے یہاں نظر آتا ہے جو بے شکل وصورت ہے ہر جگہ موجود ہے اور کا در ہے کہ جہاں بے سکونی کی تمام صورتیں دولت سکون پاتی ہیں ۔ اس سے پہلے والا شعر بحر میرؔ میں ہے۔ع الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ میرؔ نے رام کو جن معنوں میں استعمال کیا ہے منظور عالم شاہ صاحب نے ان معنوں کی تقلیب کردی ہے ملاحظہ ہو شعر میرؔ ۔

ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میرؔ نے اس شعر میں رام کرنے کے معنی سدھالینا منا لینا قابو میں کرلینا وغیرہ لئے ہیں جبکہ شاہ صاحب کے یہاں رام کرنا بمعنی قبلہ گاہ کرلینا کے معنی دے رہا ہے یہ کام ایک لفظ ''اپنا'' کی مدد سے کیا گیا ہے۔ظاہر سی بات ہے رام کے معنی مطیع وفرمانبردار کے ہیں جو میرؔ کے شعر میں واضح

طور پر قائم ہوئے ہیں شعر زیر بحث میں ''ان کو اپنا رام کیا'' کا ٹکڑا یہ بات قائم کرتا ہے کہ یہاں رام بمعنی مطیع استعمال ہو ہی نہیں سکتا کہ عشق حقیقی میں رام ہونا برمحل ہے رام کرنا خلاف ادب۔ پھر کوئے صنم کے ذکر اور بدنام نہ ہونے کی فکر کے اشارات اس شعر کو فنا فی الشیخ کے مرحلۂ اول عشق کی جانب بھی راجع کرتے ہیں۔

اس کے قبل درج کئے گئے شعر میں ''رام بھروسے رہنے'' کی تلقین اشارہ کر رہی ہے کہ یہ رام وہی کبیر والا رام ہے۔ اس کے اوپر کے دونوں اشعار رام سے ملنے اور رام سے دیا کی بھیک مانگنے کے مضمون سے آراستہ ہونے کے سبب سے صرف خدا کے معنوں میں ہی اپنا رنگ دکھاتے نظر آتے ہیں۔ غرض منظور عالم شاہ موج شاہی کے کلام میں جہاں جہاں ''رام'' کا لفظ استعمال ہوا ہے بطور عام اس میں ایک خاص قسم کی سپردگی اور سرمستی کے ساتھ تعلق کا اشارہ بہت واضح نظر آتا ہے۔

''گولر کے پھول'' کے صفحات پر کچھ غزلیں اساتذہ کی معروف زمینوں میں ہیں لیکن ان میں بھی موج شاہی رنگ کی بہار اپنا خاص انداز دکھاتی نظر آتی ہے یعنی میدان اور جولا نگاہ کوئی بھی ہو نعرۂ مستانہ لگانے کا انداز ہمارا اپنا مخصوص ہوگا۔ یہ بات بہت خوبی کے ساتھ مترشح ہوتی ہے۔ سراؔج اورنگ آبادی غالبؔ اور حسرتؔ موہانی کی زمینوں میں یہ اشعار ملاحظہ ہوں

یہ کرم تھا تیری نگاہ کا کہ یہ شاخ دِل کی ہری رہی
ترے میکدے میں اے ساقیا یہ شراب ہے بڑے کام کی

تجھے بھول جاؤں مجال کیا ترا نام لے کے میں جی گیا
تو خدائے دِل ہے زمین پر تو جمال عکس پیمبری

مرے دِل میں ہے وہی جلوہ گر مجھے ناز ہے اسی بات پر
کہ نصیب سے مجھے مِل گیا بخدا خدائے قلندری

(زمین سراؔج اورنگ آبادی)

میں تو ازل سے ہوں اسی زلف دوتا کی قید میں
کوئے صنم کا راستہ مجھ کو کوئی بتائے کیوں
آپ کی بارگاہ میں دِل کو مِلا سکوں بہت
اب یہ صنم پرست دِل جائے کہیں تو جائے کیوں

(زمین غالبؔ)

ترے کرم کا کہاں تک کوئی شمار کرے
وفا کی بات تو یہ ہے کہ جاں نثار کرے
کسی سے بھی نہ کہا حال دِل سوا ان کے
کوئی جو ان کی طرح ہو تو اعتبار کرے

(قافیہ کی تبدیلی کے ساتھ زمین حسرتؔ موہانی)

سراؔج کی مشہور زمین والہانہ اظہار کے لئے تمام شعرا کو خوش آتی ہے مومن خاں مومن، اقبال اور مجروح سلطانپوری سے لے کر افتخار عارف اور ہمارے متعدد معاصرین تک اکثر شعرا نے اس زمین اور اس بحر (کامل مثمن سالم، متفاعلن آٹھ بار) میں طبع آزمائی کی ہے اور ان تمام اظہارات میں بطور عام اور منظور عالم شاہ کے یہاں بطور خاص سرمستی اور والہانہ طور اظہار بہت خوبی کے ساتھ موجود ہے۔

منظور عالم شاہ صاحب نے اس زمین میں ردیف

کو قافیے میں بدل کر اپنی غزل غیر مردف کر دی اور اس امتیاز کے ساتھ اپنا موج شاہی انداز برقرار رکھا۔ مطلع کے مصرعۂ ثانی میں ''اے ساقیا'' کے تخاطب پر ارباب نظر کی چیبن جبیں کے خیال سے عرض کرتا ہوں کہ اسے ''موج شاہی رنگ'' سمجھ کر صرف نظر کریں اور والہانہ پن کا لطف لیں۔ جسے خدائے قلندری مِل جائے اور اس شان کے ساتھ ملے کہ وہ زمین پر خدائے دِل اور جمال عکس پیمبری ہو تو پھر اس مستی کا پوچھنا کیا۔

غالب کی زمین میں جو غزل ہے اس میں بھی موج شاہی فقیر کی ''یک در گیر و محکم گیر'' والی خوبی اور خصوصیت کا اظہار اپنی خاص ترنگ میں اپنی بہار دکھا رہا ہے اور بات یہاں مکمل ہوتی ہے کہ ؎

اب یہ صنم پرست دِل جائے کہیں تو جائے کیوں

ان اشعار میں روایت کا تسلسل بایں صورت نظر آتا ہے کہ استعارات ولفظیات سب کے سب وہی ہیں جو ہمارے ادب میں صدیوں سے رائج ہیں لیکن جب ایک مست فقیر یہ کہتا ہے کہ ع

میں تو ازل سے ہوں اسی زلف دوتا کی قید میں

تو معنی کی وہ جہت روشن ہو جاتی ہے جس کا تعلق حقیقت سے ہے اور پھر کوئے صنم حقیقی معنوں میں وہ جگہ قرار پاتی ہے جہاں ارباب حقیقت وطریقت کو اگر کوئی لے بھی جائے تو انھیں وہی نظر آتا ہے جو ان کے دِل میں سمایا اور ذہن پر چھایا ہوا ہے۔

انتخاب کا آخری شعر جیسا کہ عرض کیا گیا قافیے کی تبدیلی کے ساتھ حسرت موہانی کی زمین میں ہے حسرت کی مشہور غزل ہے ؎

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

اس زمین میں منظور عالم شاہ صاحب نے کریم کے کرم بے شمار کے عوض جان نثار کرنے کا مضمون نظم کیا ہے اور اگلے شعر میں ان کے علاوہ یا ان کے جیسے کے علاوہ کسی پر اعتبار نہ کرنے کے مضمون کو بہت خوبی کے ساتھ باندھا ہے۔

مجموعی طور پر گولر کے پھول میں اردو غزل کے روایتی انداز اور پیرائے میں اس موج شاہی قلندر نے اپنے کیف ومستی کا والہانہ اظہار کیا ہے۔ کبھی کبھی یہ روایتی پیرایہ ان کی موج شاہی لہر میں بہہ گیا ہے اور پھر مدرسہ اور اہل مدرسہ کے تعلیم کردہ سارے معیارات تہس نہس ہو گئے ہیں۔ یہ لہر اگر اور زیادہ ہوئی ہے تو منظور عالم شاہ (شیرازی شرقی) اپنے خالص پوربی لہجے میں اظہار خیال کرتے نظر آتے ہیں۔ خیال رہے کہ شاہ صاحب نے مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے لہٰذا وہ شعر اور تخلیقی اظہار کی تمام نزاکتوں سے واقف تو ہیں اب بحر وزن اور اظہار کی نیرنگی میں اگر کوئی ایسی بات نظر آئے جس کو ارباب لغت نا مناسب گردانیں تو اس خیال کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے کہ شاہ صاحب کا یہ کلام اصلاً ان کے موج شاہی متبعین کو عالم سرور وانبساط میں مبتلا کرنے کے لئے تھا ''ہجے'' کرنے کے لئے نہیں اور آخری بات یہ کہ اسی مجموعۂ شاعری گولر کے پھول میں

اے خواجۂ کون ومکاں اے شمع بزم حیدری

اے داروئے دردنہاں اے چارہ سازِ بے کسی

جیسے خالص فارسی مصرعے بھی اپنی بہار دکھا رہے ہیں، اوراس مجموعۂ شاعری کوایک ایسا گلدستہ ثابت کررہے ہیں جس میں طرح طرح کے پھول بیک وقت موجود ہیں اوراپنے رنگ و بو سے مشام دِل ہائے اہل نظر واہل دِل کو بیک وقت مطر کرر ہے ہیں۔

☆

صاحب نے فرمایا ......

تم اس بات کودھیان میں رکھنا کہ تمہارا آدمی کی نسل سے ہونا ہی کافی ہے کہ تمہیں اُس آسمان والے تک پہونچنے کی راہ دے دی جائے۔اس لئے کہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ آسمان تک جانے والی سیڑھی موجود رہتی ہے۔شرط صرف اتنی ہے کہ طبیعت کا رجحان اُس آسمان والے کو پانے کا اور کوشش گہری لگن کے ساتھ جڑی رہے اور جونعمتیں بخشی جائیں اُن کا شکر ادا کرنا جانتا ہو۔اگرتم نے سہی راستے پر رہ کر یعنی دوسروں کا دِل نہ دکھا کر، ہرساتھ جینے والی مخلوق چاہے وہ جس رنگ، نسل یا مذہب کی ہو اُسے اپنا سمجھ کر برتاؤ رکھا تو تمہاری طرف آسمانی نعمتیں اتاری جائیں گی اور اگر تم نے اپنے کو اِس راہ کے علاوہ دوسری طرف دیکھنے والا بنایا یعنی مذہب پرستوں کی راہ اپنائی جو باطنی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں تو یقین جانو کہ تم جتنا کچھ پا چکے ہو گے تم سے واپس لے لیا جائے گا۔صوفی گروہ کے ہر بزرگ نے تاکید کی ہے کہ دعا مانگتے وقت اپنے جسم سے الگ ہو کر اپنے کو کسی طرح سے گنہگار نہ سمجھ کر صرف اپنے روح ہونے کا خیال کر کے عاجزی کے ساتھ دعا مانگنا۔ اس صفت کو حاصل کئے بغیر کبھی بھی ایک نقطہ پر تمہارا خیال جم نہیں سکتا یعنی مذہبی گروہ کی طرح دنیا کی خرافاتیں یاد کرنے میں اور منھ بنا بنا کر خیالی خدا کے سامنے رونے میں اپنا وقت خراب نہ کرنا۔اس لئے کہ جب دماغ بہت سی باتوں کو یاد کرنے میں لگ جاتا ہے تو پھر کبھی ایک مرکز پر جمع نہیں ہو پاتا۔

وہ روحانی علم اُس مضبوط قلعہ کی طرح ہے جس کے اندر داخل ہو جانے کے بعد اِس دنیا میں موجود کسی طرح کی دھوپ چھاؤں سے نہیں گزرنا پڑتا، خوف دلانے والے گھٹاؤں کے جھٹکوں سے چھٹکارا مِل جاتا ہے۔آخر کب تک صورت پرست رہ کر اس بے جان زندگی سے اپنے کو جوڑے رکھو گے۔اگر تم اسی طرح بے روح زندگی جیتے رہے تو کبھی اس قید سے چھٹکارا نہ پاسکو گے۔اس دنیا کی زندگی کے طور طریقوں کے مطابق جینے کی جو سمجھ تمہیں مِلی ہے اُس نے تمہیں اس لائق نہیں رہنے دیا کہ تم اِن باطنی زندگی کی باتوں کو سن کر اُنہیں برتنے کے لائق بن سکو۔رک کر دھیان دے کر ہماری باتیں سنو، ایسے رہبر مِل جائیں تو اُن سے اپنے کو جوڑ کر خود کو باطنی سمجھ رکھنے والا بنا لینا۔☆

''گولر کے پھول'' میں تصوف اور اخلاقی قدروں کی نمود

ڈاکٹر سراج احمد قادری

اخلاق وہ صفت لطیف ہے جو رب تبارک وتعالیٰ کی معرفت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ بنی نوع انساں کو لُطف وحلم کا پیکر بناتی ہے۔لیکن جب یہ صفت لطیف ایک بندۂ مومن کا وصف بنتی ہے تو اس کو افضل و اکمل مومن اور انسان کامل ہونے کا جاہ وشرف عطا کرتی ہے۔ نیز جب یہ صفت دیگر مذاہب کے لوگوں میں پیدا ہوتی ہے تو اس خاک دان گیتی پر بسنے والے لوگوں کو ایشور کا گیان اور دھیان کے ساتھ ساتھ مانوتا اور کروڑاں کا پاٹھ پڑھاتی ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم کے پیشِ نظر ایک صالح اور پاکیزہ معاشرے کے لئے اخلاق کو اساسیت کا درجہ حاصل ہے۔اخلاق کی تعلیم کے بغیر ایک صالح معاشرہ تشکیل ہی نہیں پاسکتا۔اخلاق وہ عمل ہے جب یہ لوگوں کے اندر جلوہ فرما ہوتا ہے تو لوگ ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگتے ہیں۔ان کی یہ محبت کسی غرض وغایت کے سبب نہیں بلکہ لوجہ اللہ ہوا کرتی ہے۔ایسے ہی معاشرے کی تشکیل وتکمیل کے لئے انبیائے کرام، رسولان عظام نیز ان کے نقش قدم پہ زندگی گزارنے والے ان کے محبوبین اور خدا رسیدہ افراد اس دنیا میں تشریف لاتے رہے اور اپنی پاکیزہ تعلیمات سے اس دھرتی کو جنت نشاں بناتے رہے۔

جب لوگ انسانیت نواز اور ایک دوسرے کے قدرداں بن جاتے ہیں تو اس کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اس سے بھائی چارہ اور اُخوت وہمدردی کا فروغ ہوتا ہے اور دھرتی امن وشانتی کا گہوارہ بن جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر طرف سکھ چین کا بول بالا ہوتا ہے۔

اخلاق مذاہب عالم کی کتاب کا وہ واحد باب ہے جو قدرِ مشترک کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں غیریت کے سارے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور نقش دوئی مٹ جاتا ہے۔ لوگ اپنے آپ کو ایک دوسرے کے بہت قریب محسوس کرنے لگتے ہیں۔کسی بھی اچھی قوم کی شناخت اس کے اخلاق وکردار و معاشرتی تہذیب وتمدن سے ہوتی ہے۔ جہاں کہیں لوگ آپس میں مل جل کر اُخوت ومحبت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہوں تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی اخلاقی تعلیم بہت عمدہ ہوئی ہے۔اگر کسی معاشرے میں آپس میں انتشار وافتراق، جنگ وجدال دکھائی دیتا ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی اخلاقی تعلیم نہیں ہوسکی یا انکی اخلاقی تعلیم ہوئی ہے تو بہت کمزور ہوئی ہے۔

جب ہم صوفیائے کرام کی زندگی کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کی زندگی کے احوال وآثار سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پیغام ''پیغام محبت'' تھا جو کسی ایک طبقے کے لئے محدود نہیں تھا بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کے

لئے تھا۔ان کے یہاں کوئی اپنا، پرایا نہیں ہوتا تھا جو بھی ان کی چوکھٹ پر آ گیا وہی ان کا اپنا ہے۔وہ ہر آنے والے کو اپنائیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ انہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔آپ کسی بھی صوفی کی سیرت، ان کے احوال و آثار کا مطالعہ کریں تو ان کے یہاں صرف احترام انسانیت، ایک دوسرے سے محبت کرنا اور خدا کی سچی معرفت ہی پائیں گے۔آپ ان کے کردار و عمل سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ انہوں نے کبھی کسی آنے والے کو دوئی کی نگاہ سے دیکھا ہو حتیٰ کہ انہوں نے اپنے درِ دولت پہ آنے والے کسی بھی شخص کو کبھی بھی کلمے کی تلقین نہیں کی بلکہ ان کی چوکھٹ پہ آنے والا خود ہی ان کے شمائل و خصائل سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے کی پیش کش کرتا تھا۔ جو ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوسکا وہ بھی تا دم زیست ان کا ہی اسیر رہا۔

مشہور صوفی شاعر حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے ہم میں سے کون واقف نہیں۔تصوف اور فارسی ادب کی تاریخ ان کے تذکرے کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوسکتی۔انہوں نے تصوف میں انسانیت کا ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں۔وہ پوری دنیا کے انسانوں کو ایک دوسرے کا جز قرار دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سب (یک جوہر) یعنی ایک ہی ماں باپ حضرت آدم وحوا علیہم السلام سے پیدا ہوئے ہیں۔

بنی ادام اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش بہ یک جوہر اند

میری فہم و فراست میں انسان از روئے تخلیق خیر و شر کا مجموعہ ہے۔اللہ جلّ مجدہ نے ہر آدمی کے اندر خیر و شر دونوں ماڈے ودیعت فرما رکھے ہیں۔ اب اس کی تعلیم و تربیت جس نوعیت کی ہوگی وہی عنصر اس کی طبیعت پر غالب آئے گا اور وہ ویسا ہی انسان بنے گا۔اس کی مثال لوہے کی سی ہے کہ جس طرح لوہے کے اندر قدرت نے تلوار اور ڈھال دونوں بننے کی صلاحیت رکھی ہے، بنانے والے پر موقوف ہے وہ جو چاہے بنائے چاہے تلوار بنائے یا ڈھال۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تخلیقی اعتبار سے انسان میں بھی انسان صالح اور انسان بد بننے کی صلاحیت رکھی ہے۔اگر اس کی بہترین تعلیم و تربیت کسی مرد حق آگاہ کے ہاتھوں ہوگئی تو وہ ایک دردمند انسان بن کر لوگوں کی عزت و توقیر کرنے والا انسان بن جاتا ہے۔لوگوں سے محبت کرتا ہے جسے دیکھ کر معاشرے کے لوگوں کی روح خوش ہوتی ہے اور اگر اس کو اوباش لوگوں کی سنگت مل گئی تو وہ دنیا کا بدترین انسان بن جاتا ہے جس کی شناخت ایک ظالم و جابر انسان کے روپ میں ہوتی ہے، جسے دیکھ کر لوگوں کی روح کانپ جاتی ہے اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سایے سے بھی خوف کھاتے ہیں۔

''رسالۂ قشیریہ'' میں ہے کہ حضرت جعفر بن احمد بن جعفر سے سنا الکتانی فرما رہے تھے! تصوف نام ہی اخلاق کا ہے لہٰذا جو شخص اخلاق میں بلند ہوگا وہ تصوف میں بھی تم سے بلند ہوگا''۔[1]

یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ اخلاقی قدروں کا

نظام یا راہ تصوف اس کائنات میں ایسا نظام ہے جس سے بہتر انسانی فلاح و بہبود کے لئے اور کوئی نظام نہیں۔لیکن یہ راستہ اتنا آسان بھی نہیں کہ چشم زدن میں اسے سر کر لیا جائے۔یہ اتنا مشکل ہے کہ اس کا اندازہ صرف اور صرف اسی کو ہوسکتا ہے جو اس راستے کا مسافر ہے۔اس راستے کی دشواری کا عالم یہ ہے کہ انسان کو اخلاقی قدروں کی سر بلندی کے لئے قدم قدم پر اپنی ہی ذات کی کڑی مخالفت یا صوفیہ کی اصطلاح میں ''اپنی ذات کی نفی'' کرنی پڑتی ہے اور اس مخالفت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر ذرا بھی مخالفت میں کمزور پڑا تو فوراً ہی اس کا نفس اس پر غالب آجاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے قدم اس راہ سے ڈگمگانے لگتے ہیں۔لیکن اگر اپنے نفس کی مخالفت پر سختی سے کار بند رہتا ہے تو اس کی روح کو وہ نشاط آگیں سرور حاصل ہوتا ہے کہ اس کا بھی اندازہ لگا پانا مشکل ہے۔اگر لگایا جاسکتا ہے تو صرف اس پر عمل کر کے بقول علامہ اقبالؔ

''تصوف کہنے کی نہیں بلکہ کرنے کی چیز ہے'' ۲

میں یہاں پر اپنے موقف یا موضوع کی وضاحت کے لئے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک قول نقل کرنا چاہتا ہوں جس سے کہ موضوع روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجائے۔

'' کسی نے حضرت ابراہیم بن ادہم سے پوچھا کیا تو دنیا میں کبھی خوش ہوا ہے؟ جواب دیا ہاں۔دو بار!ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھ پر پیشاب کر دیا اور دوسری بار اس طرح کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھے تھپڑ مارا۔'' ۳ آپ ایک لمحے کے لئے سوچنے پہ مجبور ہوگئے ہونگے کہ یہ فلسفہ تو زندگی کے تمام فلسفوں سے ماورا ہے۔یہ کون سا فلسفۂ حیات ہے کہ اسے تھپڑ مارا جائے اور وہ اس پر خوش ہو یا اس پر پیشاب کیا جائے اور وہ خوش ہو۔یہ افعال تو سیدھے جنگ وجدال کی طرف لے جاتے ہیں۔مگر کسی نے اس کی کیا ہی سچی تصویر کشی کی ہے۔

اُلٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگان عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لئے

خدا رسیدہ لوگوں کو ایسے ہی افعال سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔یہی راہ تصوف وسلوک ہے اس راستے کے اختیار کرنے کے بعد اس دھرتی پر براجمان برائیوں کا قلع قمع ہوجاتا ہے اور یہ دھرتی جنت نشاں بن جاتی ہے۔

تصوف کی یہ روایت نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے، جو صدیوں سے چلی آرہی ہے۔تمام اہل اللہ نے اسی راستے پر چل کر رب کو پایا ہے۔ڈاکٹر وحید اختر اپنے ایک تحقیقی مقالہ ''شاعری میں تصوف کی روایت'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

'' امام غزالی کا قول ہے۔''رابعہ عدویہ نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس محبت کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد اہے اللہ کا احسان اور انعام، وہ جو اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے اور جس حُبّ ذات یعنی خالص حبّ الٰہی کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ہے دیدار الٰہی اور جمال خداوندی کی محبت کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتر ہے۔جمال ربوبیت کی لذت بجائے خود سب

سے بڑی چیز ہے۔'' اپنے اس بیان میں غزالی نے جن اشعار کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

'' میں تجھ سے محبت کرتی ہوں۔ دو طرح کی محبت
ایک محبت ہے آرزو اور تمنا کی
اور دوسری ہے صرف تیری ذات کی
میری وہ محبت جو آرزو اور تمنا سے معمور ہے
وہ تو کوئی اہمیت نہیں رکھتی
لیکن وہ محبت جو صرف تیری ذات سے ہے
تجھے اسی کا واسطہ ہے
حجاب کو دور کر دے تا کہ آنکھیں تیرا جلوہ دیکھ
سکیں۔'' ؎

میں چاہتا ہوں کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے وہ تابندہ نقوش بھی پیش کر دوں جس سے کہ ان کی زندگی میں انقلاب آیا۔ وہ تمام عمر علم منطق وفلسفہ کا درس دیتے رہے ان کا شمار اپنے عہد کے ان علماء میں ہوتا تھا جن کا احترام خود شاہان زمانہ کیا کرتے تھے۔ اتنا بڑا جاہ و مرتبہ حاصل ہونے کے باوجود ان کی روح تشنگی محسوس کرتی رہی آخر کار انہوں نے تمام دنیاوی کروفر کو ترک کر کے تصوف کی راہ اختیار کرنے کا عزم کر لیا اور جب انہوں نے راہ تصوف وسلوک اختیار کی تب ان کی روح کو چین میسر ہوا۔ جناب سید حسین نصر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف سے وابستہ ہونے (یعنی انکی آپ بیتی) بیان فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

'' اب میں نے غور کرنا شروع کیا کہ اس قسم کا یقینی علم مجھ کو کس حد تک ہے معلوم ہوا کہ صرف حسیات اور بدیہیات تک ہے۔ لیکن جب کد و کاوش زیادہ بڑھی تو حسیات میں بھی شک ہونے لگا یہاں تک کہ کسی امر کی نسبت یقین نہیں رہا۔ قریباً دو مہینے تک یہی حالت رہی۔ پھر خدا کے فضل سے یہ حالت تو جاتی رہی لیکن مختلف مذاہب کی نسبت جو شکوک تھے باقی رہے۔ اس وقت جس قدر فرقے موجود تھے چار تھے۔ متکلمین۔ باطنیہ۔ فلاسفیہ۔ صوفیہ۔ میں نے ہر ایک فرقہ کے علوم وعقائد کی تحقیقات شروع کی۔ علم کلام کے متعلق جس قدر قدماً کی تصانیف تھیں سب پڑھیں۔ لیکن وہ میری تسلی کے لیے کافی نہ تھیں کیونکہ اُن کا جن مقدمات سے استدلال ہوتا ہے ان کی بنا تقلید ہے یا اجماع یا قرآن و حدیث کے نصوص اور یہ چیزیں اس شخص کے مقابلے میں بطور حجت پیش نہیں کی جا سکتیں جو بدیہیات کے سوا کسی اور چیز کا قائل نہ ہو۔

فلاسفہ کا جس قدر حصہ یقینی ہے یعنی ریاضیات وغیرہ اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اور جو حصہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے یعنی اِلٰہیات وہ یقینی نہیں۔ فرقۂ باطنہ کے عقائد کا تمام مدار امام وقت کی تقلید پر ہے لیکن امام وقت کی حقیقت کی نسبت کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے۔ اب صرف تصوف باقی رہ گیا۔ سب سے آخر میں میں نے تصوف کی طرف توجہ کی۔ اس فن میں حضرت جنید، شبلی، بایزید بسطامی کے جو ملفوظات ہیں ان کو دیکھا، ابو طالب مکی کی '' قوت القلوب'' اور حارث محاسبی کی تصنیفات پڑھیں۔ لیکن چونکہ یہ فن دراصل عملی فن ہے اس لیے صرف علم سے کچھ نتیجہ حاصل

نہیں ہوسکتا تھا، اور عمل کے لیے ضروری تھا کہ زہد وریاضت اختیار کی جائے ادھر اپنے اشغال کو دیکھا تو کوئی خلوص پر مبنی نہ تھا، درس وتدریس کی طرف طبیعت کا میلان اس وجہ سے تھا کہ وہ جاہ پرستی اور شہرتِ عامہ کا ذریعہ تھا۔ ان واقعات نے دل میں تشویق پیدا کی کہ بغداد سے نکل کھڑا ہوؤں اور تمام تعلقات کو چھوڑ دوں۔ یہ خیال رجب ۴۸۸ھ میں پیدا ہوا لیکن چھ مہینے لیت ولعل میں گذرے۔ نفس کسی طرح گورا نہیں کرتا تھا کہ ایسی بڑی عظمت و جاہ سے دست بردار ہو جائے۔ ان تردداتِ میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ زبان رک گئی۔ درس وتدریس کا سلسلہ بند ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ہضم کی قوت جاتی رہی۔ آخر طبیبوں نے علاج سے ہاتھ اُٹھا لیا، اور کہہ دیا کہ اس حالت میں علاج سودمند نہیں ہوسکتا۔ بالآخر میں نے سفر کا ارادہ کرلیا، علماً اور ارکان سلطنت کو جب یہ خبر ہوئی تو سب نے نہایت الحاح کے ساتھ روکا اور حسرت سے کہا کہ یہ اسلام کی بدقسمتی ہے۔ ایسی نفع رسانی سے آپ کا دست بردار ہونا شرعاً کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ تمام علماً وفضلاً یہی کہتے تھے لیکن میں اصل حقیقت کو سمجھتا تھا اس لیے آخر سب کو چھوڑ چھاڑ کر دفعتاً اُٹھ کھڑا ہوا اور شام کی راہ لی۔'' (۲۱)۵

میں ممنون کرم ہوں محترم جناب فاروق احمد جائسی صاحب کا کہ انہوں نے مجھے حضرت صوفی شاہ منظور عالم صاحب کا مجموعۂ کلام ''گولر کے پھول'' فراہم کرایا اور انہوں نے اس کے تعارف کے طور پر جو کلمات فرمائے اس کو سننے کے بعد مجھے اس کے مطالعے کا شدید شوق ہوا اور جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو اس کو اس سے سوا پایا جو انہوں نے فرمایا تھا۔ محترم فاروق احمد جائسی صاحب نے اس پر جو مقدمہ لکھا ہے سچائی یہ ہے کہ اس مقدمے کے پڑھنے کے بعد شاہ صاحب کی شخصیت پر مزید کچھ لکھنے کے لئے بچتا ہی نہیں مگر عقیدتوں کا کیا کیجئے ان کی اپنی ایک الگ دنیا اور طلب ہوتی ہے اور کبھی کبھی تو وہ اس قدر بے بس کر دیتی ہیں کہ آدمی اس کیفیت میں پہنچ جاتا ہے کہ ع

''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است''

کچھ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا میری اس تحریر کو حضرت شاہ صاحب کے حضور عقیدتوں کا خراج تحسین ہی سمجھا جائے اور ان کا روحانی تصرف کہ انہوں نے مجھ جیسے ہیچ مداں کو اس مضمون کے لکھنے کا شرف عطا کیا ورنہ میں اس لائق نہیں کہ ان جیسی عظیم ہستی پر قلم اُٹھا سکوں۔ ان کی شاعری یا افکار و خیالات پر لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

اس مقدمے کا پہلا پیراگراف ان کی شخصیت کا ایک ایسا نقش بناتا ہے جو مجموعۂ کلام کے مطالعے کے دوران حاوی رہتا ہے اور وہی چیز انسان کے ذہن و دماغ پر حاوی بھی رہتی ہے جو حقیقت پر مبنی ہوا کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

'' صوفی شاہ منظور عالم صاحب جن کو ان کے ارادتمند حضرات 'حضور صاحب' کے نام سے جانتے ہیں۔ ایک انسان دوست بزرگ ہی نہیں بلکہ انسانیت کی قدروں کے امین بھی ہیں۔ ان کی گوشہ نشینی کی وجہ سے لوگ ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں کم کم جانتے ہیں۔ میری ذاتی معلومات کے مطابق وہ ضلع غازی پور کے اعلیٰ زمیندار

گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے ایک باران کی ذاتی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن شاہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ'' اب جب میں نے خدا اوراس کی رضا کی بندگی اختیار کر لی ہے تو میرا الگ سے کوئی تشخص نہیں رہ گیا۔اس لئے اس بارے میں کوئی ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔بس اتنا سمجھ لیجئے کہ میں بھی خدائے واحد کا ایک ادنیٰ بندہ ہوں اور اس کی رضا اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی بقا ہی میرا سب کچھ ہے۔اب میں اسی سے منسوب ہوں بس یہ سمجھو کہ میں ایک بندۂ حقیر و بے وقعت فقیر ہوں جو خدا کی رضا مندی اور اس کی یاد میں رات دن لگا رہتا ہوں اور اپنے متعلقین کو انسانیت کی راہ دکھانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔'' ۶

حضرت شاہ صاحب کے مذکورہ اقوال تصوف کا ایسا گل دستہ ہیں جس کی خوشبو صرف مشام جاں کو معطر ہی نہیں کرتی بلکہ بے خودی تک لے جاتی ہے۔ان کی معنویت کا یہ عالم ہے کہ جتنا ہی غور خوض کیجئے رب تعالیٰ کی محبت اور انسانی رفعتیں ہر لحہ بڑھتی ہی جاتی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنے آپ کو رب تعالیٰ کی ذات میں فنا کر دیا تھا۔ان کا سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا انہوں نے اپنی شناخت اس کی ذات عظیم کے حوالے کر دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج وہ محبوب خلائق کے مرتبے پر فائز ہیں ۔مخلوق خدا کا ایک بہت بڑا طبقہ ان کا جاں نثار و شیدائی ہے۔خلق خدا جتنی ان سے محبت کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ ان کو رب تعالیٰ کے ان بندوں سے محبت تھی اور یہ محبت طرفین سے تھی۔خدائے بزرگ و برتر طرفین کی اس محبت کو سلامت رکھے۔

جب ہم تصوف کے رشتے کو شاعری میں تلا کرتے ہیں تو ہمیں عربی، فارسی شاعری میں اس کا بہت ذخیرہ دکھائی دیتا ہے ۔ میں عربی شاعری کے بارے وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا کہ اس کا پورا سرمایہ تصوف پر مبنی مگر فارسی شاعری خصوصاً قدیم فارسی شاعری کے بار میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کا پورا سرمایہ تصوف پر مبنی ہے ۔ رہی بات اردو شاعری کی تو اس کی ولادت تصوف کی گود میں ہوئی ہے۔اردو شاعری میں صوفی کی ایک طویل فہرست ہے جیسے ملا داؤد ڈلمئی ، حضرت ا خسرو، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، غالبؔ، اقبالؔ، خواجہ میر د امیرؔ مینائی اور اصغرؔ گونڈوی وغیرہ۔

جب ہم حضرت شاہ صاحب کی شاعری یا ان دیوان پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان کا پورا دیوان تصو و معرفت پر مبنی نظر آتا ہے۔ان کے پورے کلام کا جائزہ ا مختصر سے مضمون میں لیا جانا ممکن نہیں مگر اپنی بساط بھر کو کرتا ہوں کہ ان کے کلام کے محاسن بیان کر کے ان عقیدت کیشوں میں شامل ہو جاؤں۔

حضرت شاہ صاحب کے درج ذیل اشعار تصوف کی جو خوشبو رچی بسی ہے وہ ہمیں براہ راست ر تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ تک لے جاتی ہے ہم جتنی بار ا اشعار کو پڑھتے ہیں ہر بار سرور دو بالا سے محظوظ ہوتے ہیں

صورتیا صنم کی بڑی رس بھری ہے
وہ زلفیں ہیں ایسی کی جیسے پری ہے

جو دیکھے کہے ان کے من میں بسالا

شرابی بنا دیں وہ نظریں ہیں ان کی
ملتی ہے پینے کو ان کے کرم کی
ہم ناہیں جانی پیالی پیالا

یہ دنیا میرے کام کی اب نہیں ہے
مجھے یاد کچھ بھی نہیں رہ گئی ہے
وہی کا جو دیکھے تو سب بھول جالا
اُس کے کرم کا بیاں کس طرح ہو
اُسے کیا ہے مشکل وہ چاہے کرے جو
وہ ٹھوکر جو مارے تو دل جاگ جالا

ہمیں اب تو ہے میکدے ہی میں جینا
ہمیں بھا گیا ہے یہ جینا یہ پینا
اب ہم نہ چاہی ای مسجد شوالہ

اس پورے کلام کی ایک اور بھی خوبی ہے وہ یہ کہ اس کے پڑھتے وقت ہمارے دل و دماغ پر رب تبارک و تعالیٰ کی ذات بابرکات کی مختلف جہتیں اُبھر کر ہمارے سامنے آتی ہیں، جیسے وہ کبھی اس کی صورت دل رُبا کا ذکر کرتے ہیں (جب کہ وہ جسم و جسمانیت سے پاک ہے) اس سے ان کی مراد وہ صورت جو اس کی شایان شان ہے اور کبھی اس کی نظروں کا ذکر کرتے ہیں (یعنی اس کے الطاف و عنایات) جس سے سرشار ہونے کے بعد آدمی بے ساختہ اپنے آپ کو رب تبارک وتعالیٰ کا ممنون کرم محسوس کرنے لگتا ہے۔اس کی دید اور اس کے لُطف وعنایات سے سرشار ہونے کے بعد بچتا ہی کیا ہے اور بے وقعتی دنیا کا ذکر انہوں نے جس تصوفانہ انداز میں کیا ہے وہ تو ہر انسان کو اس طرح اپنا اسیر بنا تا ہے جس کا بیان کیا جانا ممکن ہی نہیں۔صرف شعری اسلوب میں یہ اظہار فکر وفن ہی نہیں ہے بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کے لئے یہ ایک پیغام بھی ہے کہ اے لوگو! تم دنیا کی جن رنگینیوں پہ فریفتہ ہو اگر تمہیں رب تبارک وتعالیٰ کا تقرب حاصل ہو جائے، تم رب تعالیٰ کے جلوے کو دیکھ لو تو دنیا کی ساری چیزیں تمہیں ہیچ ترین لگنے لگیں گی، اس کو دیکھ لینے کے بعد سب کچھ بھول جانا یقینی ہے، انداز بیاں ملاحظہ فرمائیں ۔

یہ دنیا میرے کام کی اب نہیں ہے
مجھے یاد کچھ بھی نہیں رہ گئی ہے
وہی کا جو دیکھے تو سب بھول جالا

اور آخر کا بند تو نہایت ہی دل گداز ہے ۔

ہمیں اب تو ہے میکدے ہی میں جینا
ہمیں بھا گیا ہے یہ جینا یہ پینا
اب ہم نہ چاہی ای مسجد شوالہ

اس میں انہوں نے جہاں اپنا نظریۂ تصوف بیان کیا ہے وہیں اس کا لسانی پہلو بھی بہت خوب ہے۔انہوں نے جو زبان استعمال کی ہے وہ بالکل سادہ، سلیس اور آسان اردو زبان ہے اور ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ چونکہ حضرت شاہ صاحب نے شاعری کو عوام وخواص تک اپنا پیغام پہنچانے کا ذریعہ بنایا تھا اس لیے اس میں انہوں نے

علاقائی زبان بشکل ہندی بہت زیادہ استعمال کی ہے جس سے اشعار کی عظمت میں چار چاند لگ گے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کو زبان و بیان پر جو عبور حاصل تھا وہ بے پایاں تھا۔ مشکل سے مشکل بات کو وہ بہت ہی آسان پیرایہ میں بیان کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ ان کا یہ کلام بھی دیکھیں بالکل تصوف میں ڈوبا ہوا۔ جسے صرف ایک بار پڑھکر نہیں سمجھا جا سکتا ہے مگر دو چار بار پڑھنے کے بعد دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے بعد جی یہی چاہتا ہے کہ یہ ہمیشہ وردِ زباں رہے۔

رونق ساری جان و جگر میں یار کے پاک قدم سے ہے
دم ہمدم سے جوڑ کے رکھنا یہ دم اُن کے دم سے ہے

روئے صنم ہی روئے خدا ہے اس کی دید خدا کی دید
جس نے بھی دیکھا ہے اس کو دور وہ رنج و غم سے ہے

میں صدقے اُس چاند کے جس سے روشن میری بزمِ حیات
دیکھ کے ایسا لگتا ہے یہ ٹکڑا باغِ ارم سے ہے

دلِ بے چارہ دردِ وفا کا مارا ہاتھ پسارے ہے
مجھ پہ نظرِ کرم کی رکھنا اتنی عرض صنم سے ہے

دوڑ کے آیا زُلفِ دُتا کی قید میں خود دیوانہ بنا
اس زنجیر سے میرے پاؤں کا رشتہ کئی جنم سے ہے

اسی طرح کے کچھ اور متفرق اشعار پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

منہ پہ وہ خاکِ درِ کوئے صنم جس نے ملی
اُس نے پھر مڑ کے نہ دیکھا کبھی دنیا کی طرف
اتنا آیا ہے سمجھ میں کہ یہیں سجدہ کروں
دیکھتی ہے یہ نظر بس اُسی جلوہ کی طرف

☆

دنیا میں ایک چیز یہی کام کی ملی
دامن پہ داغ عشق لگا رہنے دیجئے
بیمارِ عشق کے لئے بس وہ نظر بہت
بیکار ہے دوا یہ دوا رہنے دیجئے

☆

میرے دل کی بستی میں چاند بن کے روشن ہے
زندگی کی راتوں میں حسن کا اُجالا ہے

☆

نگاہ رحم اپنی اُس نے میرے حال پہ جب کی
پیامِ زندگی لے کر مسیحا بار بار آیا
نہ دیکھی ہو تو جنت دیکھ لو کیا چیز ہے یارو
فضا مہکی چمن میں یار میرا مشک بار آیا

☆

مجھ پر مرے حضور نے ایسی نگاہ کی
جیسے کسی غریب پہ عالم پناہ کی
وہ عشق میں کشش تھی کہ پھر چھوٹ نہیں سکا
اُن کے ہی در پہ مٹنے کی اس دل نے چاہ کی

☆

غلامی میں تمہاری وہ مزہ پایا ہے دل نے
مسیحا تم کو کوئی بھول جائے ہو نہیں سکتا

اور آخر میں ایک کلام جس کی وجد آفرینی بے پناہ ہے ملاحظہ فرمائیں ۔

ایسا جو کوئی یار کہیں ہو تو بتاؤں
بازار میں ملتا ہو تو بازار سے لاؤں
اس شکل کی تصویر بنی ہو تو دکھاؤں
تم کو جو تمنا ہو کہ میں بھی اسے پاؤں
اس دل میں اُتر کر اُسے ڈھونڈو تو ملے گا
ایسے نہیں ملتا اُسے پوجو تو ملے گا
وہ نور ہے ہر سمت اُجالا ہے اُسی کا
سب اُس کے طلبگار ہیں چرچا ہے اُسی کا
یہ جلوہ گاہِ ناز ہے جلوہ ہے اُسی کا
پردے میں وہ رہتا ہے یہ پردہ ہے اُسی کا
عاشق بنو یہ درد بساؤ تو ملے گا
ملتا ہے مگر پہلے کھو آؤ تو ملے گا
وہ چاہے تو بگڑی ہوئی تقدیر بنا دے
منجدھار میں ہو ناؤ تو ساحل سے لگا دے
زندہ کرے ہر شئے کو اُجاڑے تو بسا دے
سو جائے بہاروں کا مقدر تو جگا دے
یہ رحم و کرم اُس سے نبا ہو تو ملے گا
بس ایک وہی ہے اُسے پوجو تو ملے گا

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر مذکورہ اشعار پیش کے گئے ہیں جو ان کے فکر و فن اور نظریہ شعر گوئی کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا پورا دیوان اسی کیف و رنگ میں ڈوبا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی اسکالر اردو کے صوفی شعراء کا موازناتی مطالعہ کر حضرت شاہ صاحب کے کلام کی انفرادیت کا تعین کرے، جس سے کہ اردو کے صوفی شعراء میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین ہو سکے تو یہ کام یقیناً انکے شایان شان ہوگا۔ مجھے امید قوی ہے کہ ان کی یادگار میں قائم تنظیم صاحب اسمرتی فاؤنڈیشن، کان پور اس جانب ضرور توجہ کرے گی انشاء اللہ۔ انہیں کے درج ذیل شعر پر میں اپنی اس بے مایہ تحریر کو ورام دیتا ہوں ۔

پابند وفا ہونا ہی شرط محبت ہے
دیوانے کبھی اٹھ کر اس در سے نہ جائیں گے

حوالہ جات:

۱۔ رسالۂ قشیریہ۔ حضرت شیخ عبدالکریم ابن ہوازن قشیری ،ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان صفحہ ۴۵۷ ☆ ۲۔ مجلّہ انٹرنیشنل مشاعرہ۔ مرتب نیر جہاں۔ شمارہ ۲۰۰۷ء اردو مرکز، سینٹا مونیکا، یو۔ ایس۔ اے، صفحہ ۲۰ ☆ ۳۔ رسالۂ قشیریہ۔ حضرت شیخ عبدالکریم ابن ہوازن قشیری ،ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان صفحہ ۴۵۹ ☆ ۴۔ مجلّہ انٹرنیشنل مشاعرہ۔ مرتب نیر جہاں۔ شمارہ ۲۰۰۷ء اردو مرکز ،سینٹا مونیکا، یو۔ ایس۔ اے، صفحہ ۲۸ ☆ ۵۔ فکر و نظر۔ مدیر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴ء ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد ، پاکستان صفحہ ۵۶/۵۷ ☆ ۶۔ گولر کے پھول۔ حضرت منظور عالم شاہ، قلندر موج شاہی۔ صاحب اسمرتی فاؤنڈیشن، کیشو نگر، کان پور، صفحہ ۱۱۔

☆

بزرگوں کی دعاؤں کے شجر شاداب رہتے ہیں
وہ پردہ بھی کریں تو اپنا سایہ چھوڑ جاتے ہیں

فاروق جائسی

میں کانپور میں پہلی بار بحیثیت طالب علم ۱۹۶۵ء میں کانپور آیا۔غربت اللہ پارک، ڈپٹی پڑاؤ میں مکان نمبر ۸۹/۳۰۹ میں قیام تھا۔یہیں پر دلشاد نام کے ایک صاحب بھی رہتے تھے جن کا علاقہ میں بڑا دبدبہ تھا۔بشیر صاحب (حضور صاحب کے مرید) ان کے بڑے نزدیکی سمجھے جاتے تھے اور پاس ہی میں رہتے تھے۔یہ شاید ۱۹۶۸ء کی بات ہے ایک شام کو دلشاد صاحب سے آمنا سامنا ہو گیا،انہوں نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا کیا قوالی سننے کا شوق ہے؟ میں نے فوراً ہاں کہہ دیا۔انہوں نے بتایا کہ آج میرے یہاں محفل ہے اور منظور جگمگ کلام سنائیں گے،ضرور آنا۔میں عشاء کے بعد ان کے یہاں پہلی منزل پر پہونچا تو محفل سج چکی تھی۔سامنے ہی ایک بزرگ، شہ نشین پر تشریف فرما تھے۔ دبلا پتلا لمبا قد،لمبی لمبی زلفیں،بڑی بڑی خمار آلودہ آنکھیں جیسے سامنے والے کا باطن بھی صاف دیکھ رہی ہوں۔ یہاں شاہ منظور عالم صاحب سے میں پہلی بار روبرو ہوا تھا۔دوسری بار میرا ان کا آمنا سامنا ڈاکٹر متین نیازی کے گھر پر ہونے والی ایک طرحی نشست میں ہوا۔جب میں نے یہ شعر پڑھا ؎

یہ عجیب دوستی ہے کہ گزر گئیں بہاریں
نہ کوئی سلام آیا نہ کوئی پیام آیا

تو شاہ صاحب نے خوب لطف اٹھایا، بار بار شعر پڑھوایا اور داد و تحسین سے نوازا۔پھر بات آئی گئی ہو گئی۔میں اپنے سرکاری کام میں مصروف ہو گیا۔شاہ صاحب سے کوئی خاص راہ و رسم ابھی تک قائم نہیں ہوئی تھی۔

ایک دن میں اپنے دوست ظفر احمد غازی کے یہاں ان سے ملنے پہونچا تو ایک صاحب پہلے ہی سے وہاں موجود تھے ،میں انہیں نہیں جانتا تھا۔سامنے میز پر ''رسکھان'' کے مشاعرہ اور کوی سمیلن کا دعوت نامہ رکھا تھا۔میں نے ازراہ تجسس اسے کھول کر پڑھا۔میری زبان سے نکلا کہ شاعروں کی ٹیم تو بہت عمدہ اور معیاری ہے۔اب سامنے بیٹھے ہوئے صاحب نے اب اپنا تعارف خود کرایا اور کہا کہ ''مجھے مہدی جعفری کہتے ہیں، میں ہی اس مشاعرہ کا ناظم ہوں۔پھر کہا کہ جب بھی موقع ہوگا میں آپ کو بھی اس مشاعرہ میں مدعو کراؤں گا''۔

مجھے ان کی یہ بات پسند نہیں آئی ۔اس بات کو میرے اندر کے شاعر نے کم اور میرے کسٹم آفیسر نے زیادہ برا مانا۔کانپور کے لوگ مجھے مشاعروں اور طرحی نشست کے حوالوں سے جاننے لگے تھے،میں نے سوچا کہ اب یہ بھی ہوگا کہ مہدی جعفری جیسے لوگ میری سفارش کریں گے تو

میں مشاعرہ پڑھوں گا۔

ایک دن جانے مانے کوی مردل تواری مجھ سے ملنے میرے آفس آئے۔بات خانقاہ کی نشستوں کی نکل آئی۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ابھی تک آپ خانقاہ کی کسی بھی نشست میں شریک نہیں ہوئے ہیں؟ ایسا لگا کہ مہدی جعفری والی بات سے لگنے والے میرے زخم کسی نے پھر تازہ کر دیا سوچا شاید یہ صاحب بھی خانقاہ کی نشست میں میری شمولیت کی سفارش کی بات کہیں گے،مگر مردل تواری نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ہاں میرے منہ سے یہ جملہ ضرور نکلا کہ''میں ایک دن خانقاہ ہاتھی پر سوار ہو کر جاؤں گا اور اپنا راستہ خود بنا کر جاؤں گا''شاید خدا نے میرا یہ جملہ اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیا تھا۔

ہوا یوں کہ ایک دن ایک محترمہ کا فون آیا۔میں آفس میں تھا۔انہوں نے بتایا کہ وہ''الزابتھ کورین مونا'' بول رہی ہیں۔حیدرآباد سے کانپور سرکاری دورے پر آئی ہیں انہیں رزرو بینک آف انڈیا میں کچھ انسپکشن کا کام ہے۔دو ایک دن رکنا ہوگا،ابھی وہ''ہوٹل گورو''میں رکی ہوئی ہیں اور مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔میرا نمبر انہیں حیدرآباد سے کسی میرے واقفکار نے دیا تھا۔میں نے آفس کے بعد شام کو ان سے ملنے کا وقت طے کیا اور گورو ہوٹل پہونچا۔''گورو ہوٹل'' کی لابی میں وید پرکاش شکلا سنجر بھی موجود تھے۔جب میں نے ان سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ تو انہوں نے بتایا کہ کوئی شاعرہ مونا صاحبہ سرکاری دورے پر کانپور آئی ہیں وہ''حضور صاحب''سے ملنا چاہتی ہیں،میں ان کو لینے آیا ہوں تاکہ خانقاہ لے جاؤں۔

میری مختصر ملاقات مونا جی اور سنجر صاحب کے ساتھ رہی اور صرف رسمی سی باتیں ہی ہوئیں۔کچھ سننے سنانے کا موقع نہ تھا۔مجھے یہ بھی خیال تھا کہ مونا جی کو''حضور صاحب''کے پاس جانا ہے اس لئے میں خود اس ملاقات کو جلد سمیٹ لینا چاہتا تھا۔مگر مونا صاحبہ اور سنجر صاحب دونوں نے اسرار کیا کہ چلئے وہیں کچھ دیر بیٹھے گے بھی اور کچھ دیر شاعری کی محفل بھی جم جائے گی۔میں اس شام کو پہلی بار خانقاہ میں حاضر ہوا۔پورا ہال خوشبو سے مہک رہا تھا۔بے شکن فرش بچھا ہوا تھا۔''حضور صاحب''نے کھڑے ہو کر اپنے مہمانوں کا استقبال کیا۔چائے پیش کئے جانے کے بعد پان کا دور چلا اور پھر نشست شروع ہوگئی۔سنجر صاحب کا ترنم تو شاندار ہے ہی،مونا جی کی آواز بھی بہت مترنم تھی اور غزلوں میں بھی جان تھی۔دونوں کو''حضور صاحب''نے داد تحسین سے نوازا۔مجھ سے بھی غزل سنانے کی فرمائش ہوئی۔میں نے اپنی غزل کے جب یہ شعر پڑھے تو حضور صاحب نے خوب مزہ لیا اور بار بار پڑھوایا ؎

میرے ساتھ ماہتاب ہے
لوگ کہہ رہے ہیں خواب ہے

مست مست اس کی ہر ادا
اس کی ہر نظر شراب ہے

میرے سامنے تو آیئے
آئنے سے کیا حجاب ہے

جب میں غزل مکمل کر چکا تو مجھ سے فرمایا کہ ابکے

بار خانقاہ میں ہونے والی نشست میں ضرور تشریف لایئے گا، میں آپ کی آمد کا منتظر رہوں گا۔ اگلی نشست میں میں خانقاہ کی نشست میں شامل ہوا اور اپنی غزل کا جب یہ شعر پڑھا۔

میں نے یہ مانا کہ میں جنت میں جاؤں گا مگر
وہ نہ ہوں ہمراہ تو باغِ ارم کس کام کا

تو صاحب اور اہل خانقاہ نے مجھے جس طرح داد و تحسین سے نوازا وہ میرے لئے یادگار بن کر رہ گیا۔ پھر صاحب نے میری اس غزل کی بھی فرمائش کی جو میں نے انہیں پہلی بار خانقاہ میں حاضری کے وقت سنائی تھی۔

میرے ساتھ ماہتاب ہے
لوگ کہہ رہے ہیں خواب ہے

اس سنی ہوئی غزل کو بھی صاحب نے مزہ لے لے کر ملاحظہ فرمایا۔ پھر جب تک آپ حیات رہے شاید ہی کوئی نشست ایسی رہی ہو جس میں میں نہ شامل ہوا ہوں۔ ان کے داد دینے کی لفظیات بھی بہت نپی تلی ہوتی تھیں۔ مجھ پر تو خاص طور پر ان کی نظر عنایت رہتی تھی۔ کبھی فرماتے ''فاروق میاں روح خوش کردی'' کبھی کہتے ''آپ کا یہ شعر آپ کو زندہ رکھے گا'' وغیرہ وغیرہ۔ پردیپ شریواستو رونق جو خانقاہ کے ہر دل عزیز قوال اور مشہور غزل سنگر ہیں کے پاس ان سارے واقعات کی رکارڈنگ موجود ہے۔ حضور صاحب اکثر اپنے سالانہ مشاعروں سے قبل مجھ سے پوچھتے کہ کوئی نیا شاعر آپ کی نظروں میں ہو تو بتائیں۔ میری ہی تجویز پر اقبال خلش اکبرآبادی تشریف لائے تھے اور اپنے اس شعر کی چھاپ سب کے دلوں پر چھوڑ گئے۔

چہرے مٹنے کے لئے ہیں چہرے سب مٹ جائیں گے
آئنہ تھا، آئنہ ہے، آئنہ رہ جائے گا

میرے ہی مشورہ پر حیدرآباد سے آغا سروش، ممبئی سے ابراہیم اشک، منگلور سے افضل منگلوری، لکھنؤ سے سید مہتاب حیدر صفوی دلی سے استاد شاعر وقار مانوی صاحبان رسکھان کے مشاعرہ میں تشریف لائے تھے۔

حضور صاحب بہت پر لطف گفتگو فرماتے تھے۔ اردو اور فارسی شاعری پر ان کی بہت گہری نظر تھی۔ حاضرین محفل ان کے چست جملوں کا مزہ لیتے اور زیر لب مسکراتے۔ ایک بار کسی صاحب نے ایک شاعر کا نام لے کر کہا کہ حضور فلاں شاعر کو ضرور بلایئے۔ ماں پر بہت اچھے شعر پڑھتے ہیں۔ آپ مسکرائے اور اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا ''بھیا اسٹیج پر ماں بیٹیوں کا کیا کام''۔ بتاتا چلوں کہ متذکرہ شاعر کو ان کے اسٹیج تک آنا کبھی نہیں نصیب ہوا۔

''حضور صاحب'' سراپا شاعر تھے۔ ان کی رگ رگ میں غزل اور ترنم بسا ہوا تھا چھ جلدوں میں ان کی شاعری کا انتخاب ''گولر کے پھول'' کے نام سے ہندی رسم الخط میں شایع ہو چکا ہے۔ ان کی شاعری ایسی ہے جو سب کی سمجھ میں آئے، دل سے نکلے اور دل تک پہونچے۔ ان کے اشعار میں ہندی اردو اور پوربی زبانوں کے خوبصورت الفاظ کا استعمال ہوا ہے کیوں کہ انہیں ہندی اردو اور پوربی زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔ بہت صاف رواں اور فصیح زبان کا استعمال کرتے تھے۔

ابھی ۲۰۱۹ء میں ''ڈاکٹر ارا مصرا (مائی صاحبہ)

سجادہ نشین خانقاہ موجِ شاہی'' نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا وہ یہ کہ انہوں نے ''گولر کے پھول'' کی چھ ضخیم جلدوں کو پھر سے ترتیب دیا، اسے یکجا کر کے اردو رسم الخط میں شایع کیا اور ہندوستان کے کونے کونے میں پہونچا دیا۔ اب شاید ہی ہندوستان کی کوئی اہم لائبریری ایسی ہو جس میں ''گولر کے پھول'' کی جلد نہ موجود ہو۔ یہ ''حضور صاحب'' سے ان کی گہری عقیدت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف سچے سجادہ نشین ہونے کا حق ادا کیا بلکہ حضور صاحب نے اردو زبان کے سلسلہ میں جو ان کی ادبی تربیت کی تھی اس کا ایک قابلِ قدر، ذمہ دارانہ اور سنجیدہ مظاہرہ بھی کیا ہے۔

''رہبرِ طریقت'' کے نام سے مولانا روم کی مثنوی کا ہندی ترجمہ بھی حضور صاحب کا قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ یہ ترجمہ سات ضخیم فل سائز جلدوں پر پھیلا ہوا ہے۔ میرے خیال میں یہ مولانا روم کی مثنوی کا پہلا مکمل ہندی ترجمہ ہے۔ ترجمہ کا یہ کام ۲۰۰۱ء سے شروع ہوا تھا اور ۲۰۰۸ء میں مکمل ہو پایا۔ ہر سال اس کی ایک جلد کی اشاعت ہوتی رہی تھی۔ اس ترجمہ کی تیاری میں بھی ڈاکٹر ارامصرا ''مائی صاحبہ'' نے اسکرپٹ رائٹنگ پروف رائٹنگ اور پرنٹنگ میں بھی بے انتہا محنت کی اور اپنی اردو زبان میں قابلیت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

طباعت کے لئے مندرجہ بالا دونوں کتابوں کا املا حرف حرف مائی صاحبہ ہی کے دست مبارک سے لکھا گیا ہے۔ یہ بات پہلے بھی میں ''صاحب اسمرتی فاونڈیشن'' کے اسٹیج سے کہہ چکا ہوں اور اب تحریر بھی کر رہا ہوں تا کہ لوگوں کو مائی صاحبہ کی علمی اور ادبی لیاقت کا اندازہ ہو سکے۔ تصنیف و تالیف سے یہ لگاؤ مائی صاحبہ کی اس تربیت کا پھول ہے جو ''حضور صاحب'' سے ان کو ملا ہے۔ اس خصوصیت میں کوئی دوسرا نہ تو ان کا شریک ہوسکتا ہے اور نہ مدمقابل۔

''روحانی گلدستہ'' (ہندی) ۱۹۸۶ء شائع ہوا۔ اس میں ابتدائی دور کے صوفی بزرکوں کے احوال، ان کے اقوال اور تعلیمات کا بیان شامل ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی شریف کا بھی کافی حوالہ اور ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔

''کشکولِ روحانی'' (ہندی) ۱۹۹۴ء میں شایع ہوا۔ یہ کتاب مولا علی کے اقوال سے شروع ہوتی ہے۔ اس کتاب میں شیخ سعدیؒ سے لیکر بابا تاج الدینؒ، (ناگپور) کے زمانے کے بیچ کچھ اہم صوفیاء کرام کا احوال شامل ہے۔ ان صوفیا کرام کی تعلیمات اور ان کے حالات زندگی پڑھنے سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان جیسے ملی جلی مذہبی آبادی والے ملک میں آپسی میل جول، بھائی چارہ، رواداری اور میل محبت سے کیسے رہا جاسکتا ہے اور ذہنی سکون کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہی تعلیمات ہمارے ہندوستان کے لئے ضروری ہیں جو محبت کا سبق پڑھاتی اور انسانیت کا سبق یاد دلاتی رہتی ہیں۔ صوفی سنتوں کی تعلیمات آج کے دور میں ہندوستان کے لئے اور بھی ضروری ہوگئی ہیں جبکہ سیاسی لوگ اپنے فائدہ کے لئے مذہبی دیوار بنانے کا کام کر رہے ہیں اور لوگوں کو مذہب کے نام پر بانٹ رہے ہیں۔

''حضور صاحب'' کے روحانی مرتبہ کے بارے میں، میں نے نہ تو کبھی کسی سے گفتگو کی اور نہ ہی سخت گیر مذہبی لوگوں کے جملوں کی طرف متوجہ ہوا کہ یہ دل کی گہرائیوں سے سمجھا جاسکتا ہے ذہن کے سطحی پن سے نہیں۔ اس سلسلہ میں میرے چند مشاہدات ہیں جن سے میں خود روبرو ہوا ہوں اسے یہاں لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔

میں قدوائی نگر میں ''حضور صاحب'' کے ایک مرید بھارگو جی کے یہاں شعری نشست میں مدعو تھا۔ نشست کیا تھی پورا مشاعرہ تھا۔کھانے وغیرہ کا بھی معقول اہتمام کیا گیا تھا۔صاحب خود اس بزم میں تشریف رکھتے تھے۔جب میں پڑھ چکا تو ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ سول لائن میں رہتے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔تو انہوں نے کہا کہ آپ لٹھے والی کوٹھی کی طرف ہی سے گزرنا ہوگا آپ مادھوی لتا شکلا جی (پرنسپل، کے کے گرلس انٹر کالج اور مشہور کویتری) کو ساتھ لیتے جائیں کیوں کہ ان کی کار کسی کو لینے اسٹیشن گئی تھی اور ٹرین لیٹ ہونے کی وجہ سے ان کی کار یہاں آنے میں کافی دیر ہو جائے گی۔میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میرا تو راستہ ہی وہی ہے۔راستے میں مادھوی لتا جی کو میں نے بتایا کہ ان کے داماد'' منوج مالویہ'' میرے ساتھ ہی کسٹمس اینڈ سنٹرل اکسائز میں آفیسر ہیں اور یہ کہ ان کی فیملی اور میری بیگم میں بھی میں اچھی ملاقات ہے۔

راستے میں دوران گفتگو میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ ''حضور صاحب'' کو کیسے جانتی ہیں۔انہوں نے بتایا کہ ان کی ایک زمین قدوائی نگر میں تھی جس پر لوگوں نے ناجائز قبضہ کیا ہوا تھا۔کچھ کرایہ دار بھی تھے جو کسی قیمت پر زمین خالی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ان لوگوں سے میرا لمبے عرصہ سے مقدمہ بھی چل رہا تھا۔میرے کسی جاننے والے نے مجھ (مادھوی لتا جی) سے کہا کہ آپ حضور صاحب کے پاس جائیں اور ان سے دعا کے لئے کہیں۔چنانچہ میں ایک دن ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ بتاتے ہوئے دعا کے لئے کہا۔انہوں فرمایا کہ اگلے جمعرات کو آپ تشریف لائیں اور مجھے پلاٹ پر لے چلیں ۔''حضور صاحب پروگرام کے مطابق میرے پلاٹ پر گئے اور اس کی پریکرما کی ، اس درمیان کچھ پڑھ بھی رہے تھے۔جب پریکرما پوری ہوئی تو فرمایا''اگر مالک نے چاہا تو آپ کا کام ہو جائے گا''۔

کچھ دنوں بعد جن لوگوں نے زمین پر قبضہ کر رکھا تھا، میرے پاس خود آنا شروع ہو گئے اور پیسے لیکے پلاٹ خالی کرنے پر رضامندی کا اظہار کرنے لگے۔دھیرے دھیرے سبھی لوگوں سے میرے معاملات طے ہوتے گئے اور ایک دن سارا پلاٹ میرے قبضہ میں آ گیا۔اس کے بعد سے میں حضور صاحب کی بھگت ہو گئی۔میں بتاتا چلوں کہ یہ وہی پلاٹ تھا جس پر اب شاندار ''برہسپتی ودیالیہ'' قائم ہے۔

دوسرا واقعہ مشہور شاعر بشیر فاروقی سے متعلق ہے۔خانقاہ کی ایک نشست میں ان کو آنا تھا مگر وہ نہیں آپائے ۔معلوم ہوا کہ کہ کچھ بیمار ہیں۔اسی درمیان میں ایک پروگرام رکارڈ کرانے کے لئے آکاش وانی لکھنؤ

گیا۔بشیر فاروقی صاحب آکا شوانی کے بالکل پاس ہی میں رہتے تھے۔اس لئے میں انہیں دیکھنے ان کے گھر پہونچ گیا۔ان سے مل کر مجھے بہت تعجب وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔مشکل سے بیٹھک میں آپائے۔جب میں واپس آنے لگا تو بشیر صاحب نے کہا کہ میری لئے خاص طور پر خانقاہ چلے جایئے گا اور میری حالت ''حضور صاحب'' کوضرور بتا دیجئے گا اور دعا کی درخواست کر دیجئے گا۔ان کی دعا سے ان شاءاللہ مجھے ضرور فائدہ ہوجائے گا۔کانپور آ کر میں دوسرے ہی دن صاحب کے پاس مغرب بعد خانقاہ پہونچ گیا۔حضور صاحب کوبشیر صاحب کا پیغام پہونچایا۔حضور صاحب نے پورے احوال سننے کے بعد ایسے آنکھیں بند کر لیں جیسے مراقبہ میں ہوں۔میں بھی خاموش وہاں بیٹھا رہا۔کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور مجھ سے فرمایا کہ بشیر بھائی کو یہ پیغام پہونچا دیجئے کہ'' قبرستان میں مسجد کے پاس والے نیم کے درخت کو آپ نے جتنا کٹوا دیا ہے اب وہیں رک جایئے ،اب اس پیڑ میں ہاتھ نہ لگایئے گا۔''

میں اس بات کو سمجھ نہ سکا کہ نیم کا درخت کہاں ہے اور کیوں کٹوایا گیا۔حضور صاحب سے پوچھنے کی میری ہمت نہیں تھی۔بہر حال ذمہ داری کے احساس اور تجسس کے دباؤ میں دوسرے ہی دن پھر لکھنؤ گیا اور بشیر صاحب سے مل کر حضور صاحب کا پیغام پہونچا دیا۔بشیر صاحب نے کہا مجھے شک تو ہو رہا تھا کہ نیم کا پیڑ کو کٹوانے کے بعد ہی سے میری طبیعت خراب ہونی شروع ہوئی مگر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔اب میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔انہوں نے بتایا ہی نہیں مجھے لے جا کر دکھایا بھی۔جہاں وہ رہتے تھے وہاں کی چھوٹی سڑک کے اس پار ایک قبرستان تھا،اس میں ایک مسجد بھی تھی۔مسجد کے داہنے کنارے پر نیم کا ایک بڑا درخت نظر آیا جس کی کئی ڈالیں کٹی ہوئی تھیں۔بشیر صاحب نے بتایا کہ وہ اس مسجد کے متولی بھی ہیں اور قبرستان کا انتظام بھی ان ہی کے ذمہ ہے۔اب میں اور بھی حیران ہوا جب بشیر صاحب نے بتایا کہ نہ تو حضور صاحب کبھی یہاں آئے اور نہ ہی ان سے کبھی اس سلسلہ میں کوئی بات ہوئی۔بہر حال دھیرے دھیرے بشیر صاحب بالکل ٹھیک ہو گئے اور اس کے بعد بہت سی نشستوں اور مشاعروں میں کانپور برابر آتے رہے۔

ایک اور واقعہ مشہور ناظم مہدی جعفری مرحوم سے متعلق ہے۔مہدی جعفری کے گال بلیڈر میں پتھری پیدا ہو گئی تھیں۔حضور صاحب نے ان سے کہا کہ وہ بڑودہ جائیں ،وہاں قادری سلسلہ کے ایک بزرگ ہیں میں ان سے کہہ دوں گا،وہ بغیر آپریشن کے گال بلیڈر کا پتھر نکال دیں گے۔مہدی جعفری وہاں گئے۔ان بزرگ نے بغیر آپریشن کے ان کی پتھری نکال دی۔جہاں سے پتھری نکالی گئی تھی وہاں چھوٹا سا زخم کا نشان تھا اور بس اسے میں نے خود بھی دیکھا تھا۔میں جب مہدی جعفری کو دیکھنے ان کے ڈپٹی پڑاؤ والے گھر گیا تو وید پرکاش شکلا سنجر بھی میرے ساتھ تھے۔مہدی جعفری نے پورا واقعہ خود بتایا اور اپنا دونوں الٹرا ساؤنڈ جو بڑودہ جانے سے قبل اور بعد میں لیا گیا تھا،دکھایا۔پہلے والے میں پتھر تھے اور دوسرے والے الٹرا ساؤنڈ میں پتھر نہیں تھے۔میری اطلاع کے مطابق جب حضور صاحب

کے گال بلیڈر میں بھی پتھری ہوئی تو قادری سلسلہ کے یہ بزرگ ۲۰۰۰ء میں خود بڑودہ سے چل کر کانپور آئے اورصرف اپنے ہاتھوں کی مدد سے ان کی پتھری نکال دی۔ میں آج بھی تعجب میں ہوں کہ گال بلیڈر کا اسٹون بغیر آپریشن کے کیسے نکال لیا گیا مگر جب بزرگوں کی کرامت کا خیال آتا ہے تو لگتا ہے کہ اللہ کے حکم اور بزرگوں کی دعاؤں سے یہ بھی ممکن ہے۔

اوپر بیان کئے گئے واقعہ سے متعلق لوگ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔اب جن صاحب کا واقعہ بتانے جا رہا ہوں وہ خدا کے فضل سے ابھی حیات ہیں۔یہ صاحب ہیں مشہور شاعر جناب داغ نیازی۔ جوسلسلۂ نیازیہ میں بیعت ہیں ،اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ نیازی لکھتے ہیں۔ان کے پانچ بچے لگاتار پیدا ہونے کے دو تین دنوں کے اندر ختم ہوگئے۔آخری بچہ آپریشن کی مدد سے ہوا مگر وہ بھی سترہ دنوں بعد اللہ کو پیارا ہو گیا۔حمل سے ڈلیوری تک کبھی کوئی پیچیدگی نہیں پیدا ہوتی تھی جسے بچوں کی وفات سے جوڑا جا سکتا۔نیازی صاحب کے ایک دوست انصاری صاحب جو ریل بازار میں رہتے تھے ،نے مشورہ دیا کہ ''حضور صاحب'' کے پاس چلئے ہوسکتا ہے کہ وہاں سے اسکا کوئی حل نکل آئے۔ایک اتوار کوداغ نیاز صاحب اور انصاری صاحب خانقاہ آئے اور صاحب کو اپنی روداد سنائی۔صاحب نے دریافت کیا کہ ابھی تک کیا کیا کر چکے ہو؟۔نیازی صاحب نے بتایا کہ وہ معقول ڈاکٹری علاج کے علاوہ الہ آباد، بریلی شریف،کلیر شریف،ناگپور شریف اور اجمیر شریف کی درگاہوں پر بھی اپنی عرضی لگا چکے ہیں مگر کہیں سے سنوائی نہیں ہوئی ہے۔

حضور صاحب نے نیازی صاحب سے فرمایا کہ آپ کو بابا تاج الدینؒ ناگپوری کے دربار میں دوبارہ اس حالت میں جانا ہوگا جب آپ کی بیگم امید سے ہوں۔وہاں آپ کو کوئی ''ملنگ'' ملے گا اور اللہ نے چاہا تو ''آپ کا کام ہو جائے گا''۔نیازی صاحب نے بتایا کہ جب پھر انکی بیگم امید سے ہوئیں تو وہ ایک دن چار بجے شام کو ناگپور پہونچ گئے۔عشاء کے وقت بابا کی درگاہ میں حاضری لگائی اور درگاہ سے باہر نکلے تو وہاں بارہ دری میں کچھ ملنگ لوگ نظر آئے۔ ملنگ چلم پی رہے تھے۔یہ ان کے پاس چلے گئے۔ایک ملنگ نے ان سے کہا کہ ''کچھ نکالو''۔میں فوراً اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا ،چالیس پچاس روپیہ جو تھے وہ نکال لیا۔ملنگ نے پاس میں موجود ایک لڑکے کو بلا کر کہا ''لے آؤ'' لڑکا جلد ہی شاید چرس لے کر آ گیا۔ سارے ملنگوں نے کش لگایا۔ان سارے ملنگوں کی نگاہیں بابا تاج الدینؒ کے گنبد کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ایک ملنگ جو لمبا سا دبلا پتلا سا تھا اس نے اب مجھ سے پوچھا کہ کیوں آئے ہو۔میں نے بہت کم الفاظ میں اپنی بات کہہ دی۔اس نے فوراً کہا کہ ''آپ کا کام ہو جائے گا''۔یہ وہی الفاظ تھے جو حضور صاحب نے خانقاہ میں مجھ سے کہے تھے۔

نیازی صاحب نے بتایا کہ میں دوسرے دن صبح پھر سات بجے سے نو بجے تک ملنگوں والی جگہ چکر لگاتا رہا تاکہ ان سے ایک بار اور اپنا کام ہو جانے کا معاملہ پکا کر لوں مگر وہاں کوئی ملنگ نظر نہ آیا۔اب انہوں نے طے کر لیا تھا کہ کوئی

علاج وغیرہ نہ کراؤں گا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔اب کے جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی لڑکا تھا اور صحتمند تھا۔ڈلیوری گھر ہی پر ہوئی تھی۔اس کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور ہوئے جو خدا کے فضل سے اب جوان ہو چکے ہیں۔اس طرح حضور صاحب کی دعاؤں کے طفیل خدا نے ان کو تین اولادوں سے نواز دیا۔

یہ تھے وہ معاملات جو خود میرے مشاہدے میں آئے۔ان باتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک بہترین شاعر،صاحب طرز نثر نگار،ایک خلیق انسان، لوگوں کے مددگار اور ایک پہونچے ہوئے بزرگ تھے۔وہ اپنے آخری وقتوں میں کافی بیمار رہے۔ان کا لمبا علاج لکھنؤ کے سہارا اسپتال میں چلتا رہا۔گھر کے لوگوں اور ارادتمندوں نے ان کی جی بھر کے خدمت کی۔اس سلسلہ میں ''مائی صاحبہ'' کی خدمات کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے انہوں نے صاحب کی تیمارداری میں اپنے سچے شاگرد اور جاں نشین ہونے کا حق ادا کر دیا۔ افسوس کہ انہوں نے سہارا اسپتال لکھنؤ میں ۱۳ اور ۱۴/ اکتوبر کی درمیانی رات میں آدھی رات کے بعد آخری سانسیں لیں اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔اس طرح ان کی رتاریخ وفات ۱۴/ اکتوبر ۲۰۱۵ء ہے۔

جب مجھے اس سانحہ کی اطلاع ملی تو میں فوراً صاحب کے بنگلہ ''عزیز کاٹیج'' پہونچا۔معلوم ہوا کہ ان کو امبولینس میں رکھا جا چکا ہے۔لوگ باہر ہی سے ان کا دیدار کرر ہے ہیں۔میں سمجھتا تھا کہ ان کو خانقاہ (کانپور) ہی میں رکھا جائے گا مگر معلوم ہوا کہ ان کے جسد خاکی کو ان کے آبائی قبرستان ''بھیری''، ضلع جونپور میں رکھا جائے گا۔میری یہ امید بھی ٹوٹ گئی کہ جب چاہوں گا ان کی مزار پر حاضر ہو جایا کروں گا۔میرے زیر نظر یہ بات تھی کہ بزرگوں کا جہاں انتقال ہوتا ہے وہیں ان کو دفن کیا جاتا ہے،مگر پتہ نہیں کیوں یہاں اس روایت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔میرا ماننا ہے کہ اگر ان کو کانپور خانقاہ میں دفن کیا جاتا جہاں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ گزرا ہے تو ان کے چاہنے والوں کا صبح شام یہاں تانتا لگا رہتا اور ان کے آستانے سے ان کے چاہنے والوں ارادتمندوں اور دیگر لوگوں کو ہمیشہ فائدہ پہونچتا رہتا۔میرا کیا میرے تو ذہن و دل میں وہ ہمیشہ موجود ہیں،بس ذرا خیال کو یکجا کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

....

صاحب نے فرمایا ......

اپنا دِل بہلانے،طبیعت ہلکی کرنے والے کاموں اور باتوں کے راستے سے اپنے کومت جوڑنا ورنہ یہ تفریح حاصل کرنے والا طریقہ تمہارے اندر بیماریاں پیدا کر دے گا۔فقیری راہ میں پیر توڑ کر بیٹھنے والوں پر مت ہنسو،تمہیں فقیری راستے میں اِس طرح بیٹھنا اپنے کو خلوت کے سپرد کر دینا سمجھ نہ آئے گا کیونکہ تم نے اپنے کو باہر کی زندگی سے دِل بہلانے والا بنا رکھا ہے۔یہ ریاض میں لگے ہوئے لوگ ایک دن اُس آسمانی کشش کے گھیرے میں پہنچ کر،گروہِ اولیاء میں داخل کر کے باطنی حکومت کرنے والے بنا دیئے جاتے ہیں۔

حضور صاحبؒ کی شاعری میں عشق اور صنم کا تصور

شکیل گیاوی

حضور صاحبؒ کی شاعری میں عشق اور صنم کا تصور

یہ مضمون ایک ایسی ذات گرامی کی حیات مبارکہ کے روشن پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے، جس کا مذہب عشق اور زندگی سراپا تصوف تھی۔ دنیائے شعور جس ذات کو کبھی حضرت منظور عالم شاہ قلندرِ موج شاہی سے موسوم کرتی ہے اور کبھی عقیدت سے حضور صاحبؒ کہہ کر پکارتی ہے۔ حضور صاحبؒ کے سراپا کا مکمل عکس اور ان کی ذات کی شش جہات شخصیت لفظوں کے کس کیمرے میں قید ہوسکتی ہے یہ تو مجھے نہیں معلوم مگر مجھے یہ ضرور معلوم ہے کہ میرے شعور و قلم کی بساط سے یہ عمل باہر ہے۔ حضور صاحب ایک پختہ کار اور فنکار نثار ہونے کے ساتھ ایک صوفی صفت انسان اور شاعر بھی تھے جن کے شعری سفر کا مکمل آئینہ ''گولر کے پھول'' میں موجود ہے۔ دیوان کی وجہ تسمیہ جو بھی رہی ہو مگر میرے نزدیک اس کا نام اسم با مسمیٰ ہے۔ روحانی احساسات پر مشتمل شعری کلیات ''گولر کے پھول'' اس کے اجرا کے موقع پر میں نے حضور صاحبؒ پر اپنی پوری ذات نچھاور کر دینے والی صاحبہ کو، اپنے کرم فرما فاروق جائسی صاحب کو نیز پردیپ مشرا جی اور اسمرتی فاؤنڈیشن کے تمام اراکین کو مبارکباد پیش کی تھی۔

دنیا اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ ہمارا دیش ہندوستان صدیوں سے رشیوں، منیوں، پیروں، فقیروں اور صوفی سنتوں کا دیش ہے اور ہر زمانے میں خالق کائنات نے یہاں بھٹکے ہوئے لوگوں کی روحانی اصلاح کے لیے اپنا مصلح اور رہبر بھیجا۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں یعنی 17 جون 1935 میں جون پور کے ایک فارغ البال خاندان میں اسی سلسلہ کے ایک پیر و مرشد قلندرِ موج شاہی حضرت منظور عالم شاہ نے آنکھیں کھولیں اور کانپور کے صنعتی شہر کو اپنا عرفانی و روحانی مسکن بنایا اور طویل خدمتِ خلقِ خدا کے بعد اپنے بیشمار معتقدین اور مریدین کو یہ سمجھاتے ہوئے 14 اکتوبر 2015 کو واصل الی اللہ ہوگئے کہ میرے بعد عشق کا دامن ہاتھوں سے نہ جانے پائے۔ آج ملک بھر میں ان کے معتقدین موجود ہیں۔ حضور صاحب نے نثر اور نظم دونوں ذریعہ ابلاغ سے اپنے اس نظریہ تصوف کو عام کیا۔ ان کی شاعرانہ گفتگو بھی ایک ولی کامل اور اکمل مصلح کی زبان ہے۔ فرماتے ہیں۔ اپنے واردات قلبی کو عشق کا تصور کا پیش کرتے ہوئے وہ کچھ اس طرح ظہور میں لاتے ہیں کہ

دنیا میں ایک چیز یہی کام کی ملی
دامن پہ داغِ عشق لگا رہنے دیجئے

یہ عشق بھی کچھ عجیب شئے ہے اسی کا غم ہے پسند اس کو
کہ ہے وہ ہر دم نظر میں اس کی، اسی کو ہر دم پکارتا ہے

میں نے دنیا کی نظروں سے بچ کر عشق کو اپنے دل میں بسایا
یہ خزانہ ہے ایسا کہ جس کو اب کوئی لوٹ سکتا نہیں ہے

چونکہ عشق انسانی زندگی ما حصل ہے، مقصود ہے اسی لیے حضور صاحبؒ کا عشق شاہراہ تصوف کا آئینہ دار اور مشعل بردار ہے۔ ان کے نزدیک بھی دنیا میں ہر چیز کے مقابلہ میں یہی ایک چیز کام کی ہے اور وہ اپنے دامن پر داغ عشق کے حسن وجمال سے فرحت انبساط کا اظہار کر رہے ہیں۔ دوسری طرف وہ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ عشق کے حصول کے دنیا نظروں سے بچنا بھی ضروری ہے مگر یہ خزانہ اگر ایک بار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کے لٹنے کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ حضور صاحبؒ کا عشق تنہا مکمل نہیں ہے اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کیوں کہ معشوق کے بغیر عشق ادھورا ہے بلکہ عشق ذریعہ معشوق اور ممدوح تک پہنچے گا۔ اسی لیے آپ کی پوری شعری کائنات میں جگہ جگہ صنم کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اگر اپنے مطالعہ کی روشنی میں میں یہ کہوں کہ حضور صاحب نے اپنے پورے دیوان میں لفظ عشق پر مشتمل تقریباً 51 اشعار کہے ہیں اور صنم لفظ کا استعمال 47 بار کیا ہے۔ حضور صاحب کا صنم دنیا کی بصری کثافتوں پاک اور جسمانی مرغوبات سے منزّہ ہے۔ وہ خالص روحانی ہے جسے عام انسانی آنکھیں دیکھنا تو درکنار محسوس بھی نہیں کر سکتیں اور ان کے مسلک میں کوئی شیخ و برہمن بھی نہیں ہے۔ حضور صاحب کا صنم ہی بھگوان ہے، ساقی ہے، ساجن ہے، پریتم ہے، لیلیٰ ہے، رانجھا ہے۔ تصوف کی اس باریک لکیر کو دور حاضر کے معتبر نثر نگار فاروق جائسی اپنی تحریر میں کچھ اس طرح روشن کیا ہے کہ:

''صوفی شعراء نے عشق مجازی کے پردے میں عشق حقیقی کی باتیں کی ہیں۔ ان کا معشوق وہی ہے جو ساری دنیا کا پالنہار ہے۔ شاہ صاحب کے اس قسم کے اشعار نغمگی سے بھرپور ہیں۔ ان کے یہ اشعار اردو ادب کے معیاری اشعار کی صف میں رکھے جانے کے قابل ہیں۔ ہر چند کہ ان کا نقطۂ نظر کبھی یہ نہیں تھا کہ اشعار عام لوگوں کے نظروں سے گزریں، خاص کر ان لوگوں کی نظروں سے جن کی سوچ بہت محدود اور اور جو لکیر کے فقیر ہیں۔''

اس اقتباس کی روشنی میں آج جب حضور صاحب کے دیوان کا اجرا ہو رہا ہے اور ان کی پوری شاعری منظر عام پر آرہی ہے ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ان کے چاہنے والوں نے ان کے نقطۂ نظر خلاف یہ اس عمل کو تکمیل تک پہنچایا ہے جو بہت ضروری عمل تھا۔ مذکورہ دیوان ''گولر کے پھول'' پورا کا پورا میری نظر سے گذرا ہے۔ اگر یہ کام ادھورا رہ جاتا تو علم وعرفان کے چراغ میں ایک روشن چراغ کی کمی رہ جاتی اور عرفان وآگہی اور روحانیت کے جو رازہائے سربستہ حضور صاحب عشق وصنم کے امزاج کے ساتھ ہمارے سامنے کھولے ہیں اس سے ہم محروم رہ جاتے۔ عاشق اور معشوق کے درمیان کے جس انجذاب کی طرف فاروق جائسی صاحب نے اشارہ کیا ہے اس کی پوری چمک مذکورہ ذیل اشعار میں محسوس کی جاسکتی ہے۔

آپ کی بارگاہ میں دل کو ملاسکوں بہت
اب یہ صنم پرست دل جائے کہیں تو جائے کیوں

روئے صنم ہی روئے خدا ہے اس کی دید خدا کی دید
جس نے بھی دیکھا ہے اس کو دور وہ رنج و غم سے ہے

انداز میرے صنم کا نرالا، راتوں کی ٹھنڈک دن کا اجالا
پوجا ہماری اس کے لیے سب، قدموں میں اس کے ہمارا شوالہ

بت پرست ہوجانا عشق کی ضرورت ہے
میرا سر ہو قدموں پر بس یہی عبادت ہے

یہ اشعار بھی قابل توجہ ہیں کہ

شیخ جی صحن مسجد میں سجدہ کریں
مندروں میں پجاری صنم چوم لیں

کوئی کچھ بھی کرے ہم سے کیا واسطہ
دیجئے آپ کے ہم قدم چوم لیں

مذکورہ بالا اشعار میں عرفان الٰہی کے راستے تصوف کا جو رنگ نظر آتا ہے وہی صوفیا اور سنتوں کا دھرم ہے جس کی خوشبو جگہ جگہ حضور صاحب کی شاعری میں مختلف انداز سے آسان زبان میں محسوس ہوتی ہے۔ محققین اس بات متفق ہیں کہ دنیا کے ہر دھرم میں تصوف موجود ہے اسی لیے اصفیا کے دربار میں ہر دھرم اور ہر مسلک کے لوگ ملتے ہیں۔ ان کے یہاں دلوں کو توڑنے کی نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے کی تعلیم جاتی ہے۔ آپسی بھائی چارہ اور مذہبی رواداری مسلک صوفیہ کا خاصہ ہے۔ حضور صاحب کے افکار بھی اسی لیے شاعری کی شکل میں ہو بہو ہمارے سامنے ہیں۔ اس سلسلے میں حضور صاحب پر اپنے ایک مضمون میں اردو ادب کے معروف نقاد اور فاضل نثر نگار فارق جائسی نے لکھا ہے کہ:

''شاہ صاحب خدا کے سارے بندوں سے محبت رکھتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ماننے والے کیوں نہ ہوں۔ وہ مذہبی سخت گیری سے بہت دور ہیں یہی صلح کل کی خُو، اُن کو ہر مذہب کے ماننے والوں کی آنکھ کا تارا بنائے ہوئے ہے اور ان کی مقبولیت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان سے عقیدت رکھنے والوں میں ہر مذہب اور ہر فرقے کے لوگ ہیں کہ وہ اس بے ہنگم اور ظالم دور میں بھی ایک باضابطہ اور امن و آشتی کا روشن چراغ جلائے ہوئے ہیں۔ ان کا چراغ بھی ان ہی چراغوں سے روشن ہے جو مختلف صوفیائے کرام نے اپنے اپنے دور میں روشن کئے تھے۔''

حضور صاحبؒ کی شعری عرفانی قوت اور صوفیانہ طرز حکمت میں معانی فطرت کا ایک جہان روشن ہے اور یہاں بھی عشق و صنم کے ارتباط میں ذکرِ جمالِ ولایت کے گوناں گوں رنگ موجود ہیں۔ گویا عشق حسنِ صنم پر جاں نثار ہے اور حسن صنم اپنے عاشق پر جلوہ بار ہے۔ یہ وہی حسنِ ولایت ہے جو حضرت علیؓ اور اہل بیت اطہار سے ہوتا ہوا اصفیا اور اولیاء میں درجہ بدرجہ جاری و ساری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اسی لیے حضور صاحب کے یہاں جہاں ایک طرف سیدنا عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید، نظام الدین اولیاء صابر کلیری، بابا گنج شکر، خواجہ بندہ نواز گیسودراز اور بابا تاج الدین کا ذکر بڑے

تزک واحتشام کے ساتھ کیا گیا ہے وہیں دوسری طرف اس جذب وکیف میں کبیر، ملک محمد جائسی، تلسی اور رسکھان چمک دکھائی دیتی ہے۔ اہل بیت اطہار اور اولیائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے اپنی نسبت کو حضور صاحب نے بڑے پاکیز انداز میں ان چار مصرعوں میں بیان کیا ہے کہ:

مل گئے ہم کو زندہ ولی مل گئے
سید فاطمہؓ اور علیؓ ملے گئے
غوث اعظمؒ کے ایسے دھنی مل گئے
خواجہ اجمیریؒ ایسے سخی مل گئے
کی نظر میرے داتا نے رحمت بھری

حضور صاحبؒ کا دیوان ''گولر کے پھول'' یقینی طور پر اہل طریقت اور صاحب فہم وفراست کے لیے عصر حاضر میں ایک عظیم سرمایہ حیات ہے۔ جس میں تغزل کی چاشنی محبوب سے سرگوشی کر رہی ہے اور نعت ومناقب کی روشنی دلوں کو مجلی ومصفی بنا رہی ہے اور مدح اہل بیت اطہار نیز اوصافِ اولیائے کرام سے مسام جاں معطر ہوتا نظر آ رہا ہے۔ مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ یہ دیوان اہل ہوش وخرد میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا کام کرے گا اور تشنگان علم وادب کے علم میں اضافہ کا سبب ہوگا۔☆

================

صاحب نے فرمایا......

الگ الگ جنس اس دنیا میں ملتی ہے، جو جیسا جز رکھتا ہوگا اسی انداز سے اپنے کُل کی طرف بڑھے گا۔ جیسے غور کرو بلبل کو پھول کے چہرے سے عشق ہے جو اور پرندوں کو نہیں حاصل ہے۔ بلبل کا دھیان ہمیشہ پھول کے چہرے سے جُڑا رہتا ہے اور کسی بھی لمحہ اُس طرف سے اُس کا دھیان نہیں ہٹنا چاہے جس طرح کا ہنگامہ اُس کے اِرد گرد کیوں نہ ہو، اِسی کو عشق کہتے ہیں۔ اِسی کے ساتھ اس بات کو بھی دھیان میں رکھنا کہ اگر آدمی جانور صفت ہوگا یعنی زمین پر بیل کی طرح محنت مشقت میں دن رات پھنس کر زندگی گزارنے والا ہو تو اُس کے باطن میں اس جوہر کے ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اُس کا ہر رنگ کھال کے اوپر تک ہی ہوگا۔

☆

================

﴿ صفحہ ۲۲ کا بقیہ ﴾

تربیت بھی فرمائی اور اس کے جوہر قابل کو دیکھتے ہوئے اسے گدی نشینی کی عزت بھی بخشی۔

اس روایت کو حضرت شاہ منظور عالمؒ صاحب نے مزید تقویت پہنچائی۔ آج ان کے حلقۂ ارادت میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں جن میں انسانیت کا مضبوط رشتہ استوار ہے جن میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے۔

اگر شاہ صاحبؒ جیسی ہستی کی سرپرستی وتربیت حاصل ہو جائے تو مرد ہی نہیں خواتین بھی معرفت کے اعلیٰ مدارج تک رسائی حاصل کر سکتی ہیں جس کی جیتی جاگتی مثال ''مائی صاحبہ'' ہیں جو حضرت شاہ صاحب کی جانشینی کا حق ادا کر رہی ہیں۔

☆

باکمال درویش میری نگاہ

غلام مرتضیٰ راہی

سمندر کی کوئی تیز طرار لہر اکثر پلٹ پلٹ کر کسی ساحلی چٹان سے نبرد آزما ہوتی ہے کہ اُسے عبور (پار) کر لے، مگر نا کام رہتی ہے۔لیکن پاس کی کسی چٹان میں اُسے کوئی درہ یا نشیب (ڈھلان) مِل جاتا ہے اور وہ تنگنائے ساحل سے گزر کر وادی میں دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ انگریزی کے کسی شاعر کے اس مشاہدے نے میری رہنمائی کی اور میں نے پتھروں کے شہر'' گوالیار سے سر پھوڑتے رہنے سے گریز کیا۔

کوئی عرصہ گزرا ہوگا کہ ایک روز میرے ایک مقامی شناسا (اعلیٰ تعلیم یافتہ تاجر کتب) ''کرشن بہاری ٹنڈن'' نے کانپور کے بزرگ و برگزیدہ ''صاحب جی'' (صوفی شاہ منظور عالم موج شاہی) کی ذات وصفات کا چرچہ کیا۔اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ'' صاحب جی'' کا طبع زاد کلام اور مثنوی مولانا روم کے ترجمہ کی شرح وبست بڑی تعداد میں دیوناگری میں چھپ چکے ہیں۔ باور (یقین) کرایا کہ صاحب جی ایک دانشور اور باکمال صوفی منش ہیں، ہیر پیلس (مال روڈ) کے عقب میں موصوف کی خانقاہ ہے۔ ٹنڈن جیسے سنجیدہ اور سیدھے سچے آدمی کی باتوں سے اُن کے صاحب جی سے شرف نیاز حاصل کرنے کا میرے دِل میں اشتیاق پیدا ہوا۔ اگرچہ 1990 سے 1995 تک جاجمؤ کانپور کے عرصہ قیام میں صاحب جی کی خانقاہ کے بے حد قریب سے دفتر کی میری آمد رفت ہی تھی، مگر ہر کام وقت کا مرہون ہوتا ہے اگلی بار جب میں کانپور پہنچا تو صاحب جی سے غائبانہ یگانت کی کشش مجھے اُن کے پاس کھینچ لے گئی۔عودوعنبر سے مہکتی ہوئی نہایت کشادہ اور مزین خانقاہ میں ''شاہ منظور عالم'' درویشانہ طور طریقہ اور عارفانہ محویت کے ساتھ ارادتمند خواتین و حضرات کے جلو میں بوریا نشین تھے۔میں نے آداب گزارش کرتے ہوئے مصافحہ کیا، مصافحہ کے نرم و گداز لمس اور گرم جوشی کی حرارت کو میں نے صاف محسوس کیا۔جیسے ہی میں نے اپنا نام اور تخلص بتایا موصوف کی آنکھوں میں یگانت کی چمک پیدا ہوئی یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا، مجھے یہ جان کر تحیر آمیز (تعجب میں ڈالنے والی) مسرت کا احساس ہوا کہ موصوف میرے نام اور کلام سے بخوبی متعارف ہیں، راقم ان کا پسندیدہ شاعر ہے۔اپنے قریب بٹھایا، چائے اور پان سے تواضع کی۔ میں نے ''لاکلام'' (سن 2000) اور ''سدابہار غزل'' (ہندی، سن 2003) کے نسخے موصوف کی نذر کئے۔ پہلے انہوں نے ''لاکلام'' پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ پسندیدہ شاعر ڈوب ڈوب کر پڑھتے، شعریت اور کیفیت سے سرشار ہوتے، گہرے معنی کے رنگ سے شرابور ہوتے اور عش عش کرتے، راقم ایک عالم شعر سے بالمشافہ (روبہ رو) تھا، نرم

خوئی اور کسر نفس جس کے پور پور میں رچی بسی ہوئی تھی ،''لا کلام'' کے جتنے بھی چنندہ چنندہ اشعار شاہ صاحب کی نوک زبان پر آئے سب کے سب برسفیر کے اکابرین ادب کے نوک قلم پر آ چکے تھے ،اس سے موصوف کے سہی معنوں میں سخن فہم ہونے کا ثبوت ملا۔''لاکلام'' کے بعد''سدابہار غزل ''(ہندی) کے ابتدائی صفحات اُلٹے ، قیمت دیکھی اور جیب سے سو روپئے کا نوٹ نکال کر خندہ روئی کے ساتھ میری طرف بڑھادیا۔ تحفے کی قیمت ومول کرنے سے بار بار انکار کرنے پر بھی موصوف راضی نہ ہوئے۔اُنہیں لمحوں میں اُن کا ایک خاص عقیدت مند مجھ سے مخاطب ہوا بولا کہ حضور کا یہ انعام واعزاز کسی نصیب والے کوہی عطا ہوتا ہے،انکار نہ کیجئے ،لہٰذا میں نے نعمت غیر مترقبہ (جس کا کوئی بدل نہ ہو) قبول کر لیا۔ کچھ دیر بعد جب میں نے رخصت چاہی تو میرے ساتھ شاہ صاحب بھی کھڑے ہو گئے ۔ پیر مرشد کھڑے ہوئے تو اہل خانقاہ میں کس کی مجال تھی جو بیٹھا رہتا۔ یہ لمحات مجھ ہیچ منداں کے لئے واقعی بڑے سخت تھے ،سر بلند ہونے کے بجائے شرمسار ہو رہا تھا۔تخلیقات کو بہ نظر استحسان دیکھنا اور تخلیق کار کو ناچیز سمجھنا آج کے انا گزیدہ اوراعلیٰ منصبی اساطین ادب کا وطیرہ بن چکا ہے،مگر شاہ صاحب تو اپنی انا کو فنا کر چکے ہیں، انہوں نے فن اور فنکار کو ایک نظر سے دیکھا جس سے میرے اندر خود اعتمادی کی ایک نئی قوت پیدا ہوئی ؎

میری صفات کا جب اُس نے اعتراف کیا
بجائے چہرے کے آئینہ میں نے صاف کیا

فتح پور واپس آنے پر میری اہلیہ نے سو روپئے کے اُس نوٹ پر''شاہ منظور عالم کا عطیہ'' لکھ کر میرے پرس کے اوپری شفاف خانے کی زیب بنا دیا تا کہ اس کے فیوض و برکات سے میرا منی بیگ بھرا پُر ا رہے۔

موصوف کی متنوع اور جامع الصفات شخصیت کی جذب وکشش نے بہت جلد مجھے ایک بار پھر اُن کے دربار میں پہنچا دیا۔ من وعن (کُل کا کُل) پہلے جیسا سلوک کیا، حاضرین خانقاہ سے الگ اپنے پاس بٹھایا۔ایک بار پھر میں منکسر المزاج ،حلیم الطبع ، عالمانہ اور درویشانہ تشخص کی حامل ہستی سے روبہ رو تھا۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ خانقاہ کا رخ کرنے قریب ودور سے جوق در جوق حاضر ہو رہے ہیں ۔ مجھے باور آیا کہ صوفیِ کامل شاہ منظور عالم کی شہرت اور ہر دل عزیزی چہاردنگ ہے اور بلاتفریق مذہب وملت ہے۔ یہ مرتبہ خاموش روحانی ریاضت سے حاصل ہوتا ہے ۔خانقاہ میں بھائی چارہ ، مہذب طرز تخاطب ، احترام آدمیت اور مساوات کا روح پرور منظر دیکھتے ہی بنتا ہے۔وقتِ رخصت شاہ صاحب ایک بار پھر کھڑے ہونے لگے میں نے مزاحمت کی اور عرض کیا کہ اُن کے ہزارہا عقید تمندوں میں ایک میں بھی ہوں پھر میرے ساتھ یہ تخصیص کیوں؟ لیکن موصوف نے میری ایک نہ مانی ، رخصت کرتے وقت مجھ سے بولے کہ آئندہ جب آپ آویں تو''سدابہار غزل'' کی بیس جلدیں لیتے آویں۔ میں نے ہفتہ عشرہ (15 دن) میں اُن کے ارشاد کی تعمیل کر دی ۔ اگلی حاضری میں انہوں نے نہایت خوشدلی کے ساتھ بیس جلدوں کی پوری قیمت مجھے ادا کر دی۔ اس اعانت (مدد) بلکہ عنایت کو بمشکل ایک ماہ گزرا ہوگا کہ موصوف نے سدابہار غزل کی مزید بیس جلدیں طلب کر لیں۔اس دفعہ میں نے تکلفاً شاہ صاحب کو مشورہ دیا کہ

پوری قیمت کے بجائے فی کاپی اَسّی (80) روپے مقرر کر لیں۔ شاہ صاحب کے انداز دلنوازی پر تحسین و آفریں (تعریف کے لائق) ہے کہ معینہ قیمت کو بلحاظ مواد (Matter) پہلے سے ہی کم قرار دیا اور پورے دو ہزار روپے مجھے دیئے۔

کانپور کے اعلیٰ تعلیم یافتہ شاعر، ناقد، مقرر اور ناظم مشاعرہ ڈاکٹر سید مہدی جعفری بھی قابل رشک علمی استعداد رکھتے ہیں۔ ''سدابہار غزل'' کا فلیپ جعفری کا ہی تحریر کردہ ہے۔ جعفری نے بھی اپنے رسم و رسوخ سے اس کتاب کی بیس بائیس جلدیں یونیورسٹی اور کالج کی لائبریریوں نیز ہندی داں احباب کو پورے داموں فروخت کر کے ادب نوازی کا ثبوت بہم پہنچایا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ میں نے ہوا کا رخ بدلنے کا انتظار کیا اور جب سدابہار غزل کی خوشبو کو راہ ملی تو قریب و دور پھیلتی چلی گئی۔ یو پی، بہار، دلی اور راجستھان کے کتاب میلوں (Book Fair) کے علاوہ ہندی کے تاجرانِ کتب اور احباب کے ذریعہ بھی ''سدابہار غزل'' کی خاص تعداد میں نکاسی ہوئی حتیٰ کہ (یہاں تک کہ) اس کتاب کی اشاعت منفعت بخش ٹھہری۔ اس طرح شاہ منظور عالم موج شاہی کے چراغ سے چراغ جلتے گئے ؎

علم و ہنر کی روشنی پھیلتی ہے اسی طرح
جلتے ہیں اک چراغ سے جیسے ہزارہا چراغ
(راقم)

ایک بار راقم بروز جمعرات قریباً گیارہ بجے خانقاہ پہنچا۔ دیکھا کہ گیروئے کپڑوں میں ملبوس ایک مغنیہ (گلوکارہ) ہارمونیم پر شاہ صاحب کا صوفیانہ اور حقانی کلام دلآویز ادائیگی کے ساتھ گا رہی تھی، جہاں وہ خود ماہر ہارمونیم نواز تھی وہیں اُس کا ڈھولکیا بھی اپنے فن میں استاد تھا۔ میرے پہنچنے پر موصوف نے میری پاس خاطر کے لئے سماں میں وقفہ کرنا چاہا مگر میں نے یہ گوش گزار کرتے ہوئے منع کر دیا کہ اجداد کی طرح میں بھی سنجیدہ قوالی کا رسیا ہوں۔ مغنیہ نے محفل سماں میں ایک سماں باندھ رکھا تھا۔ اکثر میں نے جمعرات کی اس محفل میں شریک ہو کر شاہ صاحب کے کلام بلاغت نظام اور مغنیہ کے دلکش طرز ادائیگی میں ذوق لطف حاصل کیا ہے۔ سماں کے لمحوں میں شاہ صاحب پر ایک پُر اثر سی سرشاری اور وجد کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ ایک ایسی محویت ایک ایسی بےخودی کہ بزبانِ غالب ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

بے شک شاہ منظور عالم موج شاہی ایک باکمال صوفی منش ہیں۔ موصوف طریقت کے بہت ممتاز مقام پر فائز ہیں۔ آپ مقام فقر و غنا (فقیری اور شاہی) میں معرفت اور رموز حیات (زندگی کے راز) کے جویا (ڈھونڈنے والے) ہیں۔ آپ کی شاعری ہمیں روحانی جمالیات (حُسن) سے آشنا کرتی ہے۔ تخلیقی عمل میں روحانی جمالیات تک رسائی ایک عمر کی ریاضت تزکیہ نفس سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کے کلام میں ایک ایسی نغمگی، حُسن اور موسیقیت ہے جس کو راہ عشق کے مسافروں کے واسطے جرس منزل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے طبع زاد کلام کے پانچ عدد مجموعے ''گولر کے

پھول‘‘ کے نام سے ہندی رسم الخط میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس کے ہاتھ سے جس نے پی وہ گھر نہیں لوٹا
پیاس پھر نہیں بجھتی بس یہی قیامت ہے

کچھ خوف نہیں رکھتے طوفان ڈبو دے گا
ہم جس کے ہیں اُس کا یہ دھارا ہے کنارا ہے

ہمارا کام ہے بازار میں کھڑا ہونا
غلام کی کوئی قیمت نہیں لگی نہ سہی

ہم بھی دیکھیں گے یار وہ جلوہ
جس کے شب کی سحر نہیں ہوتی

مٹ تو جاتی ہے مگر مٹتی نہیں
ایسی ہستی جو تری پہچان ہو

ترے کرم کا کہاں تک کوئی شمار کرے
وفا کی بات تو یہ ہے کہ جاں نثار کرے

ڈوبو جو اُس ندی میں قدموں سے جا لگو گے
دریا سے دور رہ کر کس کو مِلا کنارہ

فخرِ زندگی اپنا داغ ہے غلامی کا
اُن کے ہاتھ اپنے کو ہم نے بیچ ڈالا ہے
آتی ہوئی صد رنگ کی بوچھار ملے گی
اُس صحنِ چمن کی طرف اے یار چلو تو

ایک مرتبہ جب میں خانقاہ پہنچا تو شاہ صاحب مثنوی مولانا روم کے ترجمہ کی تفسیر کا ہندی رسم الخط میں اِملا (Dictation) کرا رہے تھے۔ اِملا میں مثنوی کے اسرار معنی صفحۂ قرطاس پر ابھرتے جاتے تھے۔ موصوف کا یہ علم وکمال معارفِ تصوف کے محرمِ راز ہونے کا غماز تھا۔ شاہ صاحب نے طبع کلام اور مثنوی مولانا روم کی تفسیر وتعبیر کی ترویج و اشاعت کے واسطے عوامی رابطہ کی دیوناگری رسم الخط کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ اپنے مطمحِ نظر اور نصب العین کو گھر گھر پہونچانے میں رائج الوقت رسم خط ہی موثر ثابت ہوتا ہے۔ البتہ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ مثنوی کی تشریح ہو یا شاعری، انشاپردازی ہو یا نقد ونظر شاہ صاحب کی زبان اور لب ولہجہ من حیث المجموع اردو ہی ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کی شہرہ آفاق مثنوی کے ترجمہ وتفسیر پر مشتمل اب تک آپ کی پانچ عدد ضخیم (موٹی) جلدیں دیوناگری میں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ اُن کے مطالعہ میں میری دلچسپی کو بھانپ کر موصوف نے تمام جلدیں میری نذر کیں اور ان سے کسب فیض کرنے کا موقع عنایت کیا۔ موصوف بلاشبہ مثنوی مولانا روم کے عارف، رمز شناس اور جید عالم ہیں۔ مثنوی کے ترجمہ کی شرح وبست کو آپ نے درجۂ کمال تک پہونچایا ہے۔ مولانا روم کی شاعری میں سرمستی اور روحانی کیفیت کو دیگر زبان کے پیرائے میں فطری انداز میں ڈھالنا، خود اس سرخوشی اور سرشاری میں ڈوبنا ہے۔ اور یہ خوبی روحانی واردات کے گزرنے پر ہی پیدا ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے فیضان کو عام کرنے کی غرض سے ہی مثنوی مولانا روم کی تفسیر وتعبیر کی داغ بیل (بنیاد)

ڈالی ہے، جس کے ثمرات سے ہر خاص و عام فیضیاب ہو رہا ہے۔ خانقاہ میں تحریر و تقریر کے ذریعہ موثر اور سہل انداز میں مثنوی کے زریں حقائق تک رسائی کرائی جاتی ہے۔ یہ مثنوی ایک عارف باللہ اور فانی فی اللہ کا کلام ہے اس کی تفہیم (سمجھانا) کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جس کی ذات مذکورہ صفات سے بدرجہ اتم متصف ہو۔ شاہ صاحب نے اگر مثنوی مولانا روم کو عزیز جاں بنایا ہے تو بے شک اُن کو اس کا حق ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کی شاعری زمان و مکاں سے ماوریٰ (لامحدود) ہے۔ یہ کسی خاص عہد یا مکتب فکر کی شاعری نہیں ہے۔ آج کے دور پُر آشوب میں کہ جب انسانی اور اخلاقی اقدار کا زوال نقطۂ عروج پر ہے، ضروری ہے کہ مولانا رومی کی شاعری کی ترویج و اشاعت بڑے پیانے پر ہوتا کہ سسکتی انسانیت کو قرار آئے۔ مرزا غالب کا قول ہے ۔

حُسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے گداختہ پیدا کرے کوئی

لیکن شاہ صاحب نے مشق و مزاولت سے دلِ گداختہ پیدا نہیں کیا، یہ خوبی تو قسام ازل سے انہیں ودیعت ہوئی ہے۔ خلوت اور جلوت میں ہمیشہ نگاہ نیچی رکھنے والے شاہ صاحب کی طرف سے مجھے اندیشہ تھا کہ اگر سر راہ ان کا سامنا ہو گیا تو غالباً مجھے اجنبی جان کر گزر جائیں گے۔ مگر جب خانقاہ کی 'وقیع اور موقر' میگزین ''رسکھان'' کے اکتوبر 2005 کے شمارے میں شاہ صاحب کے رشحات قلم ''غلام مرتضٰی راہی - میری نظر میں'' کی مندرجہ ذیل سطور کے آئینہ میں مجھے اپنی صورت دکھائی دی تو میں آنجناب کی نیچی نگاہ کی کرشمہ سازی پر حیران رہ گیا۔ ''غلام مرتضٰی راہی مجھے یوں پسند آئے کہ انسان پرست ہیں، انسانیت رکھتے، غرور و تکبر سے دور ہیں۔ نرم زبان اور شیرینی رکھنے والا لہجہ من کو موہ لیتا ہے اور آدمی ایک دفعہ ملنے کے بعد اُن سے بار بار ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔ بھرا ہوا چہرہ کبھی اُجلا رہا ہوگا اب زمانے کی دھوپ سہتے سہتے سانولا گیا ہے۔ لیکن باطن کا حسن چہرے کو جاذب نگاہ بنائے ہوئے رکھتا ہے، ناک اوپر سے پتلی نیچے کی طرف پھیل گئی ہے، لیکن بھدی نہیں لگتی، پیشانی چوڑی اور اونچی، سر پر بال گھنے، آنکھیں چمکتی ہوئی اور جاگتی ہوئی، قدرت کا کوئی شاہکار ہونے کی گواہی دیتی ہے۔''

ہندوستان میں بارہویں صدی میں تصوف اور بھکتی کے اتصال اور امتزاج سے صلح کُل بھائی چارا، وسیع المشربی، انسانی دوستی اور احترام آدمیت کے جس تصور اور جس نصب العین کو شہرت و فروغ ملا وہ علی الخصوص ہندوستانی برادری کے واسطے نشانِ راہ ہے۔ شاہ صاحب سراپا فانوس بن کر اسی تابندہ روایت کی پاسداری کر رہے ہیں۔ موجودہ عہد کے صوفیائے کرام میں یہی اُن کا طرۂ امتیاز ہے۔

آں کس کہ بداند و لے داند کہ نادانند
او منزل خود برس افلاک رساند

(جو سب کچھ جانتا ہے لیکن سمجھتا ہے کہ کچھ نہیں جانتا یا کچھ جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا وہی اپنی منزل کو آسمانوں کی بلندی تک لے جاتا ہے۔)

☆

بندۂ عشق صوفی شاہ منظور عالم

ضیاء فاروقی

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

دیکھا جائے تو صوفیائے کرام کی تعلیمات کا مقصد اور محور ہمیشہ یہی جذبہ رہا ہے۔ بزرگان حال وقال نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ دِلوں کو جوڑنے کا کام کیا بلکہ رنگ ونسل سے بلند ہو کر انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی پاسداری بھی کی اور پاسبانی بھی، اور آج جو یہ برصغیر میں مذہبی رواداری کے چراغ روشن ہیں یہ انھیں صوفیائے کرام کی ذاتِ بابرکت کی تعلیمات کے طفیل ہیں۔ایسی ہی ایک شخصیت کانپور میں خانقاہ موج شاہی کے صاحب سجادہ شاہ منظور عالم صاحب کی تھی جو تقریباً چھ دہائیوں تک خصوصاً برادرانِ وطن کے درمیان توحید کے ساتھ ساتھ اُخوت اور یکجہتی کا درس دیتے رہے اور ۱۶؍اکتوبر ۲۰۱۵ء کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں اپنے مریدین اور معتقدین کا ایک بڑا حلقہ چھوڑ کر اس جہانِ بے ثبات سے کنارہ کیا۔

شاہ منظور عالم صاحب کی شخصیت کے اتنے پہلو اور اتنے رنگ ہیں کہ مجھ جیسے کوتاہ نظر کے لئے ممکن نہیں ہے کہ ان کا احاطہ کر سکوں۔ اہل تصوف میں ان کا مقام اور مرتبہ کیا تھا یہ تو صاحبانِ حال وقال جانیں، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ان کی شخصیت ایسی دلآویز تھی کہ انھیں مسلسل دیکھتے رہنا ہی حلقۂ عرفانیہ کی تمام برکتوں کو دِل میں سمو لینا جیسا تھا۔زمانۂ حال میں جن صوفیائے کرام سے میں بے انتہا متاثر ہوا ہوں ان میں خانقاہ کاظمیہ کاکوری کے اورنگ نشینوں کے علاوہ مجگواں کے سلطان عارف شاہ اور خانقاہ موج شاہی کے شاہ منظور عالم صاحب عظیم روحانی زاویوں سے متصف تھے۔شاہ صاحب کو دیکھ کر ہمیشہ علامہ اقبال کے ساقی نامے کا یہ شعر زبان پر رقص کرنے لگتا تھا ؎

خودی کا نشیمن ترے دِل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تِل میں ہے

وہ کم گو تھے لیکن اپنی اک اک ادا سے اس شعر کی معنوی تفسیر تھے۔خودی ان کے لئے پیراہن جاں تھی۔ ہم جیسے بے بصیرت لوگوں کے لئے ذات کی نگہ بانی بہت مشکل کام ہے مگر ایک درویش اپنی توجہ سے اس نگہبانی کو اپنے ارادت مندوں پر آسان فرما دیتا ہے۔حضرت شاہ منظور عالم صاحب میں یہ خصوصی وصف تھا کہ وہ اپنے ارادت مندوں کو خدا اور خودی سے بغیر کسی مشقت کے روشناس اور متعارف کرا دیتے تھے۔

صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے معروف مسلکوں یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے اصول و ضوابط کو دِلوں میں سجا کر اور ان سے الگ رہ کر جن بزرگوں

نے بڑے کارنامے انجام دیئے ان میں متقدمین میں صوفیائے کرام کی ایک طویل فہرست ہے لیکن ماضی قریب میں اور ہمارے اطراف میں شاہ بے نیازاں، حاجی وارث علی شاہ، سلطان عارف شاہ، حضرت آسی غازیپوری اور شاہ منظور عالم صاحب وہ بزرگ ہیں جن کے چراغوں سے ہمیں یہی روشنی ملتی ہے۔ یہ صاحبانِ حال وقال مسلمانوں سے زیادہ برادرانِ وطن کو روحانی مجاہدے کے قریب لانے کے لئے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

توحید کی اس امانت سے برادرانِ وطن کے دلوں کو سرفراز کرنا ان بزرگوں کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ مسلمانوں کے درمیان پیری مریدی کی تسمہ پائی سے الگ ہٹ کر ایسی روش اختیار کرنا جو کلمہ گویوں کے علاوہ دوسروں کو بھی متاثر کرے یہ اہم ہے۔ آج غیر مسلموں کے دِل میں مسلم صوفیوں کے تئیں جو عقیدت اور احترام ہے اس کی بنیاد شاید یہی ہے۔ ہمارے شاہ منظور عالم اسی روش کے علمبردار تھے۔ ان کی خانقاہ موج شاہی کے در و بام اِس بات کے گواہ ہیں کہ یہاں دِلوں کو جوڑنے کا کام کیا گیا۔ مجھے ان کے حلقۂ درس میں بیٹھنے کا بارہا اتفاق ہوا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے درس کا حاصل توحید کی شمع کو ہر دِل میں روشن کرنا ہی تھا۔ مولانا روم اِن کے مرشد تھے۔ مثنوی مولانا روم کا درس ان کے مکتب میں داخل نصاب تھا۔ وہ مثنوی سبقاً سبقاً پڑھاتے بھی تھے اور اِس کا ترجمہ برادرانِ وطن کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ لکھواتے بھی تھے اور بعد میں اسے پڑھوا کر صحت لفظی اور معنوی پر بھی توجہ فرماتے تھے۔ (مثنوی کے یہ اسباق رہبر طریقت کے نام سے ہندی میں کئی ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں) شاہ صاحب کی وجاہت ان کے درس کے ساتھ ساتھ دِلوں پر نقش ہوتی رہتی تھی۔ ان کی خانقاہ موج شاہی کے تربیت یافتہ لوگوں میں دنیاوی تعلیم سے آراستہ لوگ بھی ہیں اور عشق کی سرمستی اور سرشاری سے آشنا بھی۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

شاہ صاحب کو فنِ طِب سے بھی لگاؤ تھا۔ وہ دیسی جڑی بوٹیوں سے اپنے عقیدت مندوں کا جسمانی علاج بھی کرتے تھے اور لوگ شفایاب ہوتے تھے۔ ان کی نگاہ فنِ موسیقی پر بھی بہت گہری تھی۔ وہ نہ صرف یہ کہ موسیقی بلکہ لفظوں کی ادائیگی پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ اپنی ادبی انجمن ''رسکھان'' کے تحت وہ خانقاہ میں ہر چوتھے مہینے ایک شعری نشست اور ہر سال ایک بڑا اعوامی مشاعرہ کراتے تھے جس میں ہندوستان بھر کے معروف مگر مستند شعراء شرکت کرتے تھے۔ یہ مشاعرہ اور شعری نشستیں آج بھی ان کی خانقاہ میں جاری ہیں۔ حلقۂ صوفیاء میں وہ بزرگ جنھوں نے علاقائی زبانوں کو عوام میں حق گوئی وحق شناسی کے لئے استعمال کیا، اُن میں ملِک محمد جائسی اور رس کھان جیسے بزرگوں کا نام کافی اہم ہے۔ شاہ منظور عالم صاحب نے رسکھان کے نام سے اپنی شعری تنظیم بنا کر گویا رسکھان کو بھی

خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

شعروادب پر ان کا مطالعہ وسیع تھا خصوصاً شاعری کی مختلف اصناف پر ان کی معلومات پر ہم جیسے طالب علم عش عش کرنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ میری کتاب ''مثنوی کانپور نامہ'' پر میری درخواست پر انھوں نے جو پیش لفظ لکھا ہے وہ اِن کی وسعت مطالعہ اور عمیق نگاہی کا بین ثبوت ہے۔ غزل کی رمزیت اور اشاریت پر ان کی جیسی نگاہ بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے۔ وہ غزل میں غزل کے طرفدار تھے۔ وہ اس سے آگاہ تھے کہ حکایت بیار گفتن میں لفظ یار اپنے اندر کتنی وسعت اور کتنی معنویت رکھتا ہے۔ اِن کی شعری محفلوں میں شرکت کرنے والے شعراء بھی اِس بات کا خصوصی خیال رکھتے تھے کہ روایتی آہنگ مجروح نہ ہو۔ ان کا شعری مجموعہ ''گولر کے پھول'' جو ان کی زندگی میں ہندی رسم الخط میں شائع ہوا تھا اور اب ان کے انتقال کے چار سال کے بعد اردو رسم الخط میں خوبصورت اور جاذب نظر گیٹ اپ میں منظرِ عام پر آیا ہے ایسی ایسی شاعری سے عبارت ہے۔ یہاں ''گولر کا پھول'' بھی اپنے اندر گہری معنویت رکھتا ہے۔ روایت ہے کہ یہ نایاب اور ناپید پھول اگر کسی کو مِل جائے تو وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اہل باطن کے یہاں گولر کا پھول عشق کا ایسا استعارہ ہے کہ اُس کو پانے کے بعد پھر کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی ۔

شاد باش اے عشق تو سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

گولر کے پھول کے حوالے سے یہ چند اشعار بھی ملاحظہ کریں ۔

نور کے سانچے میں دِل ڈھلنے لگا
اب زمیں سے آسماں ملنے لگا
یار کے کوچہ میں مجھ کو لے چلو
دِل بہت بے چین سا رہنے لگا

☆

یہ جنوں مجھ کو ترے کوچہ میں لے کر آ گیا
جستجو تھی جس کو پانے کی اسے دِل پا گیا

☆

اِک نقش ہے خیال میں اس کو سنوار دو
تم خود کو میرے ساتھ زمیں پر اُتار دو
جانیں تو لوگ یہ بھی کسی کا غلام ہے
ایسی زباں سے نام ہمارا پُکار دو

☆

کیا بتاؤں کیا ہوا کیسے ہوا
جیسا چاہا آپ نے ویسا ہوا
دلبری اے دلبری اے دلبری
میں تری خاطر جیا اچھا ہوا
پارسائی کیا کریں کس کام کی
میکدے میں جو گیا زندہ ہوا

☆

میری طلب کو اور کچھ اس کے سوا نہ چاہئے
لائیے ہاتھ دیجئے دستِ کرم بڑھائیے

☆

آؤ رندو چلو میکدے کو چلیں اور اپنا کہیں بھی گزارا نہیں
ایک ساقی ہے جس کے قدم چومئے اور دنیا میں کوئی سہارا نہیں

کون پوچھے کِسے اِس کڑی دھوپ میں ہر طرف ایک ماتم بپا ہے یہاں
تم بنو گے ہمارا سہارا اگر تب تو اے ناتھ ہم بے سہارا نہیں

ایک مخصوص رنگ و آہنگ میں ڈوبے ہوئے اشعار کے مجموعے ''گولر کے پھول'' میں طویل بحروں میں بھی غزلیں ہیں اور مختصر بحروں میں بھی۔ سہل ممتنع سے عبارت یہ اشعار داخلی کیف وکم کی جو تصویر پیش کرتے ہیں وہی تو صوفیائے کرام کی روحانی دنیا کے اظہار کی علامت ہیں۔ شاہ تراب علی قلندر سے عزیز الحسن مجذوبؔ تک کا کلام ایسی ہی سرمستی اور سرشاری سے عبارت ہے۔ شاہ منظور عالم صاحب اردو، ہندی کے علاوہ علاقائی بولیوں پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنی شاعری میں انھوں نے ان زبانوں کو اپنی داخلی جذبات واحساسات کا ذریعہ بنایا۔ اس رنگ میں انھوں نے غزلیں بھی کہیں اور گیت بھی لکھے ؂

تمہرے در پہ کٹے عمر یہ تمہرن ساتھ گزارا ہوئے
ایسی غریبی ما بالم توہرے ایک سہارا ہوئے

☆

مندر مسجد ہم کا جانی تیرتھ برت نہ ہم پہچانی
ڈگر وہی بس تمہرے در کی تم بن کست گزارا ہوئے

☆

ہری ہر نام سُمر لے بھائی
ای دنیا کچھ کام نہ آئی

☆

مایا ای بہو رنگی بہت ہے
اِس سے ہار گئی چتورائی

☆

کنہیا رے توری غضب کی بانسریا
لاگے کریجوا میں برچھی کٹریا

☆

میں کا کروں موری مت باورانی
ہیرائے گئی گوئیاں بنی تھی سیانی
نجریوں کی ماری ہوئی یہ جوانی
جوشِ جنوں کی عجب گُل افشانی
ہر دَم پُکارے سنوریا سنوریا

شاہ صاحب نے اس زبان میں حمد ونعت اور بزرگانِ دین کی منقبتیں بھی لکھی ہیں جو گیت کے انداز میں اپنا ایک الگ لطف رکھتی ہیں۔ شاعری کے تعلق سے ان کا کہنا ہے کہ:

> ''ہم نے شاعری روح کے لئے کی ہے۔ نہ ہمیں عقل مِلی نہ ہم نے اِس کے لائق بننے کی کچھ بھی کوشش کی۔''

بہر حال یہ تو ان کی انکساری ہے صوفیائے کرام کا ہمیشہ یہی وطیرہ رہا ہے کہ اپنی ذات ہی نہیں اپنی فتوحات کو بھی شمار میں نہ لائیں لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ حضور شاہ منظور عالم صاحب کی یہ تمام شاعری جس حرارت قلبی اور عشق سرمدی سے عبارت ہے وہ ہم جیسے بے بصیرت لوگوں کو بھی سرشاری عطا کرتی ہے۔☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونستعینہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

''گولر کے پھول'' کے طلسماتی پہلو

حفیظ بن عزیز

جب ہم اردو زبان کی پیدائش اور اس کی ترقی کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات ہمیں بے حد متاثر کرتی ہے کہ اس کی نشو ونما میں سب سے اہم کردار بزرگانِ دین نے ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنے وعظ ونصیحت میں جس ہندوی بھاشا کا استعمال کیا آج وہی اپنی ارتقائی منازل سے گزر کر ہمارے سامنے بہترین اردو زبان کی شکل میں موجود ہے۔ ان بزرگانِ دین میں کچھ نام تو بے حد اہم اور نمایاں ہیں کہ جن کے ذکر کے بغیر اردو زبان کی تاریخ ہی مکمل نہیں ہوتی مثلاً حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت خواجہ امیر خسروؒ، حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ اور حضرت مخدوم اشرف جہانیان جہاں گشتؒ وغیرہ۔ ان میں سے کسی نے تو اپنی نثری تصانیف کے ذریعہ ذاتِ وحدہٗ لاشریک سے عشق ومحبت کے پیغام دیئے اور کسی نے اپنے وجدانی اشعار میں محبوب کے ایسے گُن گائے کہ سننے والا بھی ہوش وحواس کھو کر مرفوع القلم کے مقام ومرتبہ پر فائز ہوا۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد میں اصل موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ زیر مطالعہ کتاب ''گولر کے پھول'' بھی ایک صوفی بزرگ جن کو دنیا حضرت منظور عالم شاہ قلندر موج شاہی کے نام سے جانتی ہے کا شعری کلیات ہے۔ ''گولر کے پھول'' ایک ایسی طلسماتی کتاب ہے کہ اس کو جتنی بار پڑھیے اُتنی بار عرفان وآگہی کے نئے باب روشن ہوتے ہیں، ہر بار ایک نیا سرور حاصل ہوتا ہے، ہر مرتبہ اپنی ذات سے انکار اور مخلوقِ خدا سے پیار کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

یہ کلیات دراصل شاہ صاحب کے زیر نگرانی دیوناگری میں 6 حصوں میں شائع شدہ کلام کا مجموعہ ہے اور انہوں نے اس کے ہر حصہ میں اپنا مقدمہ لکھا ہے۔ شاہ صاحب یقینی طور پر تصوف وطریقت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز تھے۔ میری اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ہر صوفی مرشد نہیں ہوتا، ہر مرشد واعظ نہیں ہوتا اور ہر واعظ قابل تقلید نہیں ہوتا۔ میں اپنی بات کو مزید واضح کر دوں کہ ہر صوفی اس قدر طاقت نہیں رکھتا کہ وہ مرشد بنے اور دوسروں کی گردن کا بار بھی اپنے سر پر اٹھائے، مگر شاہ منظور عالم صاحب نے ایسا کیا یعنی وہ کامل واکمل صوفی بھی تھے اور مرشد برحق بھی۔ ہر مرشد یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ عوام میں وعظ ونصیحت کرے، کیونکہ عوام میں ہر مذہب ومسلک کے لوگ ہوتے ہیں عالم وجاہل سبھی شریک ہوتے ہیں، امیر وغریب ہر طبقہ

کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے وعظ ایسا ہونا چاہئے کہ کسی کو ناگوار نہ گزرے، ہر کوئی سمجھ سکے اور کسی کی دلآزاری نہ ہو۔ اور شاہ صاحب نے ایک طویل عرصہ وعظ ونصیحت اور درس وتدریس کا کام انجام دیا یعنی شاہ صاحب اعلیٰ درجہ کے واعظ بھی تھے۔ میری دلیل کا آخری حصہ کہ ہر واعظ قابلِ تقلید نہیں ہوتا کی توجیہہ یہ ہے کہ شاہ صاحب سے جو بھی مِلا اور جس نے بھی ان کو سنا ان کا گرویدہ اور اسیر ہو گیا، یعنی وہ قابلِ تقلید بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کو ماننے اور چاہنے والوں میں ہر مذہب ومسلک اور ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں، ہر کوئی اُن کا جانثار وشیدائی ہے۔

میں ''گولر کے پھول'' کی شاعری کے حوالے سے گفتگو کرنے سے پہلے شاہ صاحب کی ایک نثری تخلیق پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ''گولر کے پھول'' کے تیسرے حصے کے دیباچہ میں 'دیکھی کہی' عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ ''سورج کی چمک نے دم توڑا، تپن اور جھلسن سے مرجھائی ہوئی زندگی نے چاند کی ٹھنڈی چھایا پا کر جب اس کی روپہلی کرنوں کی بارش میں نہایا اور نہا کر دماغ سے دِل تک کو مست کر دینے والی ٹھنڈک پایا تو سمجھ میں آیا کہ روحانی شاعری اسی چاند کے گھر کی چیز ہے۔

گولر کے پھول کا تیسرا حصہ اُسی چاند کی چاندنی کی دین ہے۔ میں اس کی شیتلتا اور مادکتا کی جانب پوری طرح سربسجود ہو کر دعا مانگ رہا ہوں کہ اس کے پڑھنے اور سننے والے کو یہ نعمتیں زندگی میں نصیب ہوں۔''

نثر کی کون سی ایسی خوبی ہے جو ان کی ان سطروں میں موجود نہیں ہے۔ تشبیہہ، استعارہ، تشبیب، بیانیہ، تکلم، تخاطب، شُستگی، شگفتگی، سلاست، روانی، سادگی، پرکاری اور ان سب کے ساتھ تواضع وانکساری۔ شاہ صاحب کو اردو، فارسی، ہندی اور پوربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ مولانا روم کی مثنوی کی تشریح اور ترجمہ جو کہ ''رہبر طریقت'' کے نام سے کئی ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے آپ کے علم وکمال کا شاہکار ہے۔ اس کی چوتھی جلد کا میں نے مختصر مطالعہ کیا ہے اور اس کو خوب تر پایا ہے۔

اب آیئے شاہ صاحب کی شاعری کا جائزہ لیں کہ آخر ایسی کیا چیز ہے جو ''گولر کے پھول'' کو دیگر بہت سی کتابوں سے ممیّز وممتاز کرتی ہے۔ تو سب سے پہلے ہمیں اس کی شاعری میں پوشیدہ وہ پیغام اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جو کہ شاہ صاحب کا مقصود ہے یعنی اپنی ذات کا انکار، حالانکہ یہ ایک عام انسان کے لئے بہت ہی مشکل بلکہ سب سے زیادہ مشکل کام ہے لیکن اللہ سبحانہٗ تعالیٰ جس کسی کو اس کی ہمت، طاقت اور توفیق عطا کر دیتا ہے وہ جہانِ بے ثبات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تصوف وطریقت کی تعلیم کی ابتدا ہی اسی امر سے ہوتی ہے۔ ''گولر کے پھول'' میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے ؎

ہستی کو اپنی غافل پھرتا ہے کیا سنبھالے
جو ان پہ مر نہ پایا اس کو قضا نے مارا

☆

کون بتائے کیا ہے دنیا کون کسی کی مانے
جس نے آس لگائی اس سے دھوکہ کھاتا ہے

☆

ہمارا کام ہے بازار میں کھڑا ہونا
غلام کی کوئی قیمت نہیں لگی نہ سہی

''گولر کے پھول'' کا دوسرا طلسماتی پہلو اس کی زبان ہے۔آج کل ایک جملہ''سادہ اور سلیس زبان'' اکثر و بیشتر مبصرین و ناقدین اپنے ہر تبصرہ اور تجزیہ میں استعمال کرنے لگے ہیں۔جس کی وجہ سے اس جملہ کی اہمیت ووقعت ختم ہوگئی ہے لیکن اب آپ اسی جملہ کو''گولر کے پھول'' کے حوالے سے دیکھیں تو آپ یقیناً میری رائے سے اتفاق کریں گے۔''گولر کے پھول'' کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاہ صاحب نے برجستہ اور بے ساختہ شعر کہے ہیں ان کے کلام میں تفحص شعری نہیں بلکہ وجدانی کیفیت ہے ،اوران کا نزول صرف پیغام رسانی کے جذبہ کے تحت ہوا ہے، اس میں زبان وبیان کا وہ اہتمام نہیں جھلکتا جو عموماً شعراء کرام کیا کرتے ہیں یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔یہاں شہرت و ناموری، قابلیت اور مسابقت کا دخل نہیں ہے بلکہ یہاں تو وہ شاعری ہے جو''سننے میں بھلی لگے کانوں سے ٹکرا کر دِل میں اتر جائے ،ایسے آسان لفظ ہوں کہ ہر سننے والا اپنی پہنچ کے مطابق معنی تک بنا کسی غور وفکر کے پہنچ جائے اور نہایت آسانی سے سمجھ میں آجانے والا مطلب تصویروں میں بدل جائے۔ سننے والا عاشق ہو تو اُسے اس زمین تک پہنچا دے جسے بہشت کہتے ہیں۔''(گولر کے پھول حصہ اول)

اس لئے اس پورے کلام کی زبان اور موضوع کا اندازِ پیش کش عام شاعری سے الگ ہے۔نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

یہ درد تم کو پکارتا ہے ہمارے دِل کا خیال کرنا
تمہاری دنیا میں آبسے ہیں ہماری جانب نگاہ رکھنا

تمہاری صورت ہمارا کعبہ ہمارے دِل میں تمہارا جلوہ
وفا پرستوں کے دِل کی دنیا کے تم خدا ہو یہ یاد رکھنا

بڑا کرم ہے جو درد دے دیں یہ دِل کو میں نے بتا دیا ہے
کہ ان کی چاہت میں روز وشب تم شمع کی مانند جلتے رہنا

تمہارے قدموں پہ ہے نچھاور ہمارا جینا ہمارا مرنا
یہ جذبِ دِل ہے تمہاری خاطر مری محبت قبول کرنا

اس پوری غزل میں مضامین سے لے کر زبان وبیان تک ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کسی کی سمجھ سے باہر ہو۔اور''گولر کے پھول'' بس اسی قسم کی شاعری سے مزین ہے۔

''گولر کے پھول'' کا تیسرا طلسماتی پہلو بھی بڑا عجیب ہے کہ اس پورے کلیات میں صرف ایک بات، ایک موضوع ہونے کے باوجود بھی ہر اک کلام میں ایک انوکھا پن اور اپنا الگ مزہ ہے۔تکرارِ موضوع کے باوجود بوریت اور اکتاہٹ نہیں ہوتی اس حوالے سے گولر کے پھول کے چند اشعار دیکھئے۔

مجھے یہ محسوس ہو نہ پایا کہ میرا کوئی نہیں جہاں میں
کہ جب بھی امید کوئی ٹوٹی وہ دِل کو میرے سنبھالتا ہے

☆

کہاں ملے گی یہ چارہ سازی مرے مسیحا جو تم نے کی ہے
ہمارے اوپر اسی طرح سے نگاہ اپنی بنائے رکھنا

☆

اے میرے مسیحا تم ایسی ہی نظر رکھنا
اس شمع شبستاں کو بجھنے سے بچانا ہے

ہم تو نہیں ہیں ایسے کہ کچھ مانگ بھی سکیں
اُن پر بھروسہ ہے وہ نبھائیں گے دیکھنا

درج بالا چاروں اشعار ایک ہی مضمون کے حامل ہیں لیکن چاروں کا انداز جداگانہ ہے اور اگر میں اپنی اس بات کو شاہ صاحب کے الفاظ میں دوہراؤں تو بقول اُن کے ''جانے آپ کو اس کتاب سے کیا ملے، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اُن کا تصور، اُن کی باتیں، اُن کی یاد تو اس کی ہر سطر میں چھپی ہوئی دکھائی دے گی۔''

گولر کے پھول کا چوتھا طلسم اس کے کلام میں چھپا عقیدت و محبت کا خزانہ ہے۔ حمد، نعت، غزل، منقبت، گیت غرض ہر شعر، ہر بند، ہر مکھڑے میں جو عقیدت و محبت ہے وہ حد عروج پر ہے۔ شاہ صاحب کے انتہائے ایثار و انکسار کو بیان کرتا یہ نعتیہ بند ملاحظہ کیجئے

جب اے صبا تو طیبہ کو جانا
میری طرف سے ان کو سنانا
تمہاری خدائی تمہارا زمانہ
تم بس نظر سے نہ اپنی گرانا
کرنا نظر سرکار ، حضور میرا کوئی نہیں

میرے موضوع اور ''گولر کے پھول'' میں اس قدر وسعت ہے کہ اس پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر صفحات کی قید کی بنا پر میں اپنے مضمون کو شاہ صاحب کے اس گیت کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور اپنی اُسی بات کو دوہراتا ہوں جو ''گولر کے پھول'' پر صد فیصد صادق آتی ہے کہ ''گولر کے پھول'' ایک ایسی طلسماتی کتاب ہے کہ اس کو جتنی بار پڑھئے اُتنی بار عرفان و آگہی کے نئے باب روشن ہوتے ہیں ، ہر بار ایک نیا سرور حاصل ہوتا ہے۔

ہرنا سمجھ بوجھ بن چرنا
من میں ت بھری بہو رنگی
من کی بات نہ کرنا
پریم بِنا سب کانٹا کانٹا
ان کانٹوں سے بچنا
گرد اڑی تو آنکھ پڑے گی
سوچ وچار کے چلنا
گیان بنا سب سونا سونا
آنکھ موند مت چرنا
ساتھ اگر وہ ہیں تو سب کچھ
جینا ہو یا مرنا
پار نہیں بن کرپا پائے
سد گرو نام سمرنا

یار زندہ صحبت باقی۔ وماتوفیقی الا باللہ۔☆

==================

رباعی

آسانی سے کھیل کھیل میں ہنستے میں
کچھ لوگ اسے چاہتے ہیں سستے میں
محبوب کہاں مِلتا ہے آسانی سے
اک عمر گزر جاتی ہے اس رستے میں
فاروق جائسی

گولر کے پھول

سید مہتاب حیدر صفی پوری

صوفی شاہ منظور عالم صاحب قلندر موج شاہی انھوں نے اپنی کتاب کا نام ''گولر کے پھول'' کا انتخاب کیا، شاید انھوں نے گولر کے پھول کو ایک علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ گولر کے درخت کا ایک تاریخی واقعہ کلیر شریف سے بھی منسوب ہے۔

شاہ منظور عالم صاحب کی کتاب گولر کے پھول کی چھٹی جلد مجھے محترم فاروق جائسی سے بذریعہ شکیل گیاوی دستیاب ہوئی جو غزل، نظم اور منقبت کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس میں انھوں نے آسان لفظوں میں ہندی، اردو اور پوربی زبان میں وہ خوبصورت شاعری کی ہے جو عام قاری کے ذہن و دِل کو متاثر کرتی ہے۔ وہ ایک خوبصورت لب و لہجہ کے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت نثر نگار، اعلیٰ ادبی قدروں کے امین اور گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار تھے۔ ان کے یہاں طریقت و تصوف کی بھرپور آمیزش اور خوشبوئیں پائی جاتی ہیں۔

دیر و کعبہ سے الگ ہے راہِ دِل
کیا کرو گے پوچھ کر میرا دھرم

شاہ منظور عالم صاحب کے صوفیانہ اشعار ملاحظہ فرمائیں

ہر وقت نگاہوں میں وہ جلوہ سمایا ہے
ہم نے تو خدا اپنا اس دِل میں بسایا ہے

اے شیخ حرم یہ بھی دیکھو تو کبھی آ کے
اک کعبہ محبت کا رندوں نے بنایا ہے

یہ ضروری نہیں کہ اہل علم و دانش میرے خیالات اور احساسات سے متفق ہوں۔ شاہ منظور عالم صاحب کے مضمون ''ناچیز کی بات'' کا آخری جملہ ''اُن کا تصور، اُن کی باتیں، اُن کی یاد'' عاشق ہمیشہ یار کا ہی تصور کرتا ہے، یار کی باتیں کرتا ہے اور یار کو ہی یاد کرتا ہے۔ ان کا یہ خوبصورت جملہ تصوف کی نشاندہی کر رہا ہے۔

ایک کی پرستش میں ساری عمر گزری ہے
ہم وہیں پہ بستے ہیں دِل جہاں لگا آئے

شاہ صاحب کے اس شعر کا مصرعۂ اولیٰ یار سے عشق کا اظہار کر رہا ہے اور مصرعۂ ثانی ہمہ وقت یار کی قربت کی طرف اشارہ۔

اب دور کہیں جا کر ہم جی نہیں پائیں گے
قدموں سے جدا ہونا اس دِل کو نہیں بھاتا

شاہ صاحب کے اس خوبصورت شعر میں یار سے دوری برداشت نہیں ہے یار کے قدموں سے جدا ہونا کسی صورت اچھا نہیں لگتا ہے۔

شاہ منظور عالم صاحب کا خوبصورت شعری مجموعہ ''گولر کے پھول'' طریقت و تصوف کا ترجمان نظر آتا ہے۔ جس کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

گلستانِ الفت کی دلکشی نہیں بھولی
خوشبوؤں کا ڈیرا ہے پھول ہیں سُہانے سے

آپ مسکرائیں تو سو چراغ جلتے ہیں
رات یہ نہیں کٹتی اک دِیا جلانے سے

گولر کو عربی میں جمیز، فارسی میں انجیر احمق، ہندی میں گولڑ، انگریزی میں وائلڈ فِگ کہا جاتا ہے۔ گولر کا پھل جو انجیر کے مشابہ ہے مگر رنگ سرخ ہوتا ہے۔ اسے عربی میں تین الشوق بھی کہا جاتا ہے۔ گولر ہی ایک ایسا پھل ہے جس کے پھول کے بارے میں بہت سی روایتیں، قصے اور کہانیاں مشہور ہیں جسے لوگ ایک زمانے سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ گولر کا پھول آج تک کسی نے نہیں دیکھا اسکا پھول رات کے پچھلے پہر کھلتا ہے جسے پریاں چپکے سے توڑ کر لے جاتی ہیں۔ کئی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ گولر کا پھول گولر کے اندر ہوتا ہے اس لئے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ گولر کا درخت ایک ایسا درخت ہے جس میں بنا پھول کے پھل آتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ اگر کسی کو گولر کا پھول مِل جائے تو اُسے کسی چیز کی کمی نہیں رہتی ہے۔ لوگ گولر کے پھول کی مثال بھی دیتے ہیں "وہ تو گولر کا پھول ہو گئے" یعنی انھوں نے خود کو پوشیدہ کرلیا۔ گولر کے پھل میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ گولر کے پھل کے اندر چھوٹے چھوٹے بھُنگے اس کے اندر کیسے پیدا ہوتے ہیں اور کیسے زندہ رہتے ہیں یہ ایک قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی بات سے گولر کے پھل کی انفرادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حکمت کا ماننا ہے کہ گولر کے اندر جو بھُنگے پائے جاتے ہیں وہ آنکھوں کی بینائی کے لئے بہت مفید ہوتے ہیں۔

گولر کے پھول کی اصطلاح اہل طریقت وتصوف کی اصطلاح ہوسکتی ہے۔ اہل طریقت وتصوف اپنی نیکیاں اور خوبیوں کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، گولر کے پھول کی طرح اپنے اندر پوشیدہ رکھتے ہیں اور گولر کے پھل کی طرح مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ رب کی عطا، فضل اور مہربانی سے جن درجات اور مقامات پر فائز ہوتے ہیں انہیں وہ راز رکھتے ہیں۔ ظاہری آنکھیں نہ تو انہیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی عام انسانی عقل سمجھ سکتی ہے۔

اہلِ طریقت وتصوف اپنی نیکیوں کو ایسے پوشیدہ رکھتے ہیں جیسے گولر اپنے پھول کو، جیسے آہو اپنے مشک (کستوری) کو ؎

کستوری کنڈل بسئے مرگ ڈھونڈے بن ماہیں
ایسے گھٹ گھٹ رام ہیں دنیا جانت ناہیں
(کبیر داس)

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

آتا ہے اگر ظرف تو کیا حاجتِ اظہار
خود مشک ہو خوشبو کہ ہو خوشبو کہے عطار

طریقت وتصوف کا مرتبہ علوم ورسوم سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ "تصوف دراصل انسان کے نفس کو باادب کرنے کا نام ہے۔"

اہل طریقت وتصوف دو طرح کے انسانوں کی نشاندہی کرتے ہیں ایک وہ جو حاضرین ہیں اور دوسرے وہ جو غافلین ہیں۔ حاضرین زندہ ہیں اور غافلین مثل مردہ

ہیں۔حاضرین وہ ہیں جو ہمہ وقت بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہ کر اپنے رب کا قرب حاصل کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں ۔ دنیادار دِلوں کو توڑنے کا اور اہل طریقت و تصوف دِلوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں ۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ '' تو ملانے کے لئے آیا ہے نا کہ جدا کرنے کے لئے ۔'' حضرت سید سلطان محمد عارف علی شاہؒ کی زبان مبارک سے سنا ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ '' جو علم اپنی کوشش ، کاوش اور سعی سے حاصل کیا جائے وہ علم ناقص ہے جو محض رب کی مہربانی، اس کے فضل وعطا سے حاصل ہو وہ علم کامل ہے وہی ہمیشہ رہنے والا ہے ۔'' تقویٰ ،طریقت وتصوف کا ایک اہم جز ہے ۔ تقویٰ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ '' جفا کے لباس کو ترک کرنا اور وفا کے لباس کو اختیار کرنے کا نام تقویٰ ہے ۔'' وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ '' اپنی خلوت وجلوت کو ایک کرنے کا نام تقویٰ ہے ۔'' وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ '' دنیا میں رہتے ہوئے دنیا حاصل ہوتے ہوئے دنیا کی طرف پیٹھ کر لینا اور رب کی طرف رخ کرنے کا نام تقویٰ ہے۔''

راہِ طریقت وتصوف پر چلنا سنگ خارہ مصلیٰ پر عبادت کرنے یا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے، یہ صرف اور صرف ایک صوفی صفت انسان ،اہل دِل ،مومن، پاک طینت، نیک سیرت، باظرف، مرد مجاہد اور عالم حق سے ہی ممکن ہے ۔

بر سماع راست ہر کس چیر نیست
طعمۂ ہر مرغ نے انجیر نیست

مولانا جلال الدین رومی ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر ایک بات ہر ایک کے سننے کی نہیں ہوتی ،جس طرح ہر پرندے کی غذا انجیر نہیں ہوتی ۔ گفتگو کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جس سے گفتگو کی جا رہی ہے وہ اس کا اہل ہے یا نہیں ۔سورج کی کرنیں جب پھولوں پر پڑتی ہیں تو خوشبو پھوٹ پڑتی ہے اور جب گندگی پر پڑتی ہیں تو بدبو پھوٹ پڑتی ہے، برف پر پڑتی ہیں تو برف پانی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جب پانی پر پڑتی ہیں تب پانی بھانپ بن کر اُڑ جاتا ہے۔اس میں سورج کی کرنوں کی کوئی خوبی یا خرابی نہیں ہے بلکہ جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہیں یہ اس کے ظرف پر منحصر ہے۔علم اگر اچھے لوگوں کے پاس پہنچتا ہے تو خوبیاں پیدا کر دیتا ہے اور اگر خراب لوگوں کے پاس پہنچتا ہے تو خرابیاں پیدا کر دیتا ہے ۔یعنی علم اگر اچھے لوگوں کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اسے تعمیری کاموں میں استعمال کرتے ہیں، علم اگر خراب لوگوں کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اسے تخریبی امور میں استعمال کرتے ہیں ۔

کری گلاب کو آچمن میٹھو کہت سہائے
ہے گندھی مت اندھ تو عطر دکھاوت کاہے
(عبدالرحیم خان خاناں)

گلاب کے عطر کو چاٹ کر کہہ رہا ہے کہ بہت میٹھا ہے، اے عطر والے تو عقل کا اندھا ہے جو ایسے آدمی کو عطر دکھا رہا ہے۔

اگر کوئی نااہل علمِ طریقت وتصوف پر گفتگو کرتا ہے

تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ پتھریلی چٹان پر فصل اُگانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ حقیر پرندے کو انجیر کھلانے کا کام انجام دے رہا ہے جسے وہ ہضم نہیں کر پائے گا اور اگر کوئی عالم حق صاحب طریقت وتصوف سے گفتگو نہیں کر رہا ہے تو وہ ظلم کر رہا ہے، بخل سے کام لے رہا ہے حقدار کو اس کا حق ادا نہیں کر رہا ہے حالانکہ عالمِ حق سے ایسا ممکن نہیں ہے کسی کو قیمتی سامان دینے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جسے قیمتی سامان دیا جا رہا ہے وہ اس کا اہل ہے کہ نہیں ہے، اس کا کاسہ اس قیمتی سامان کے لائق ہے یا نہیں، کاسہ سے مراد دِل ہے۔ اگر پاک وطاہر شربت کو کسی ناپاک کوزہ میں دیا جائے تو سارا شربت ناپاک ہو جائے گا۔ جذبوں کی طہارت اور قلب کی پاکیزگی تصوف کی پہلی منزل ہے۔

اے راہ وفا کے مسافر اگر تجھے منزل بقا کی تلاش ہے تو خود کو عشق یار میں فنا کر دے ۔

ترور پھل نہیں کھات ہیں ندی نہ سنچے نیر
پرمارتھ کے کارنے سادھن دھرا شریر

(عبدالرحیم خان خاناں)

جس طرح پیڑ اپنے پھل نہیں کھاتے اور ندی اپنے پانی کو کبھی جمع نہیں کرتی اسی طرح صوفی اپنی پوری زندگی بنا کسی لالچ کے خدمتِ خلق میں لگا دیتے ہیں۔ شاہ منظور عالم صاحب نے اپنی تمام زندگی عبادت، ریاضت اور خدمت خلق میں گزاری اور تمام لوگوں تک محبت کے پیغام پہنچانے کا خوبصورت کارنامہ انجام دیا اور لوگوں کو سچا راستہ دکھایا۔ بندگی کے اصل مقصد سے آگاہ کیا اور لوگوں کے دِلوں کو جوڑنے کا کام کیا ۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

مولانا جلال الدین رومی ارشاد فرماتے ہیں کہ زندگی بندگی کے واسطے ہے، بنا بندگی کے زندگی شرمندگی ہے ۔

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجدہ و دلق نیست

حضرت شیخ سعدیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ خدمت خلق ہی اصل عبادت ہے، صرف تسبیح پڑھنے مصلے پر بیٹھنے اور گدڑی لپیٹنے سے عبادت کا حق ادا نہیں ہوتا ۔

پربت سرس دھرم نہیں بھائی
پر پیڑا سم نہیں ادھائی

(گوسوامی تلسی داس)

دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے برابر کوئی دھرم نہیں ہے اور دوسروں کو دکھ پہنچانے سے بڑا کوئی ادھرم نہیں ہے۔

شاہ منظور عالم صاحب بلا تفریق مذہب وملت مخلوق خدا سے محبت کرتے ہر امیر اور غریب کو اپنی دعاؤں، محبتوں اور شفقتوں سے نوازتے ، تمام مریدین ، محبین ، معتقدین اور متوصلین فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے ، ہر آنے والا اُن کے حُسنِ اخلاق کی تعریف کرتا ہوا نظر آتا۔ بڑے بڑے شعرا، ادباء، دانشور اور ماہرین فن ان کی محفل میں حاضر ہوتے اُن کی گفتگو سے فیضیاب ہوتے اور دعائیں حاصل کرتے۔

آخر میں اپنے ایک قطعہ سے بات مکمل کرنا چاہتا ہوں ۔

زندگی بے اصول ہو جیسے
تیرے بن سب فضول ہو جیسے
تجھ کو دیکھوں تو کس طرح دیکھوں
عشق گولر کا پھول ہو جیسے

☆

^^^

صاحب نے فرمایا......

وہ دِل بہت مبارک ہے جسے روح سے جُڑا ہوا عشق حاصل ہوا جو ہجر کی آگ میں جلا بھُنا اور وہ آنکھ اِس زمین پر بہت مبارک ہے جسے عشق کے دیئے ہوئے غم میں رونا آیا۔ ایسی زندگی رکھنے والوں کے حصے میں ہمیشہ قائم رہنے والی ہنسی خوشی آئی اور یہ نعمتیں اُنہیں کو حاصل ہوئیں جنہوں نے ہر کام کرنے سے پہلے روحانی دنیا میں اُس کے قبول اور نا قبول ہونے پر غور کیا۔ عشق میں آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ذریعہ آسمانی رحمت اترتی ہے۔ میری تاکید ہے کہ کبھی بھی دِل کو سخت نہ ہونے دینا، تاکہ تمہارے روح کے آنگن میں ہریالی اُگے۔ ☆ تم نے اپنے آپ کو جاگنے والا سمجھ رکھا ہے مگر تمہارا خود کو جاگتا ہوا سمجھنا، سوئی ہوئی حالت سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ اُس حالت میں تم کم سے کم دنیا میں آنے والی آفتوں کا شکار ہونے سے بچ جاتے ہو اور اپنی اس حالت میں جسے تم جاگنا سمجھتے ہو، طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہوتے ہو۔ اس دنیا میں بہتر طریقہ زندگی گزارنے کا یہی ہے کہ خواب دیکھنے والی زندگی سے باہر نکل جائے اور اُس زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا سے جُڑ کر اس دنیا میں قید کی طرح زندگی گزارنے سے چھٹکارا پا جائے۔ اگر تمہاری روح خدا کے ساتھ جُڑنے میں بیدار نہ ہوئی تو تمہارا پورا دن جس نفع نقصان اور ہو جانے کے خوف سے تمہاری جان کو روندے رکھتا ہے وہ تمہیں آسمان کی طرف کے سفر کا خیال ہی نہیں آنے دیتا کہ یہ جاگتا ہوا آدمی سچ مچ سویا ہوا ہے۔ ☆ اے دنیا پرست آدمی اپنی ایک بری عادت یعنی ہر وقت ہر بات پر اعتراض کرنا چھوڑ دے اور اپنے ساتھ جینے والوں کا شکریہ ادا کرنے کی عادت ڈال لے۔ اِسی کے ساتھ ساتھ جس نے تجھے پیدا کیا اور زمین پر بھیجا اُس کا شکر ادا کرنا ہر وقت اور ہر لحہ طوق کی طرح گردن میں ڈال لے۔ سرکہ، سرکہ ہی رہتا ہے کبھی شکن جبین نہیں بنتا، اُسے شکن جبین بنانے کے لئے اُس میں شکر مِلانی پڑتی ہے۔ تب وہ جگر میں اترنے کا راستہ پاتا ہے۔ اپنے ساتھ جینے والوں سے جھگڑا کرنے اور منھ بگاڑنے کی عادت چھوڑ دو۔

☆

××××××××××××××××××××××××

گلہائے عقیدت

بے شک محبتوں کا سمندر ہیں صاحب
ہر عشق کے مرکز کا بھی محور ہیں صاحب
صاحب کے بعد اہل عقیدت کی نظر میں
الفت وفا خلوص کا پیکر ہیں صاحب

شفیق عابدی

☆

ग़ज़लें

तिरा ही आसताना चाहती हूँ
यहीं धूनी रमाना चाहती हूँ

है मेरी रूह इक गहरा समन्दर
सो ख़ुद मैं डूब जाना चाहती हूँ

मिरी ख़ाना बदोशी थक चुकी है
कहीं कोई ठिकाना चाहती हूँ

है तुझसे दूर जाने का ये मक़सद
तुझे नज़दीक लाना चाहती हूँ

जो हाथों से फिसलते जा रहे हैं
मैं वह लम्हें बचाना चाहती हूँ

✡

सदा कोई मुसलसल आ रही है
थकन क़दमों को रोके जा रही है

तिरी उम्मीद तेरे दर की ख़्वाहिश
अधूरे ख़्वाब से तड़पा रही है

उधर टूटा है तारा आसमा से
इधर ख़्वाहिश लबों तक आ रही है

बढ़ी रफ़्तार मेरी धड़कनों की
तिरी सांसों की ख़ुशबू आ रही है

क़रीब आए हैं वह जब से हमारे
हर इक ज़ंजीर खुलती जा रही है

अल्का मिश्रा

ग़ज़ल

मिरी आँखों में जब भी तेरे मन्ज़र बैठ जाते हैं
तो इन ख़ाली सफ़ीनों में समन्दर बैठ जाते हैं

कहा किसने ठिकाने पर क़लन्दर बैठ जाते हैं
बज़ाहिर फिरते रहते हैं पर अन्दर बैठ जाते हैं

मुझे दुनिया के तानो पर कभी गुस्सा हीं आता
नदी की तह में जा कर सारे पत्थर बैठ जाते हैं

यूँ उठ उठ कर हमारा बोलना दिखलाए महरूमी
वह जिनको यार हो जाए मयस्सर , बैठ जाते हैं

हमीं को शाम ने तन्हा रखा वर्ना ये वह पल हैं
कि दिन और रात भी मिलने उफ़ुक़ पर बैठ जाते हैं

ऐ आवारा ख़्यालो! अश्क बारी में तो रुक जाओ
परिन्दे भी तो बारिश में सिमट कर बैठ जाते हैं

हमारा और उनका रब्त है बस हाज़िरी तक ही
वह रस्मन नाम लेते हैं हम उठ कर बैठ जाते हैं

बड़े चर्चे हैं आलम आपकी ख़ाना ख़राबी के
ख़ुदा का शुक्र है मक़्ते में आकर बैठ जाते हैं

मुकेश आलम

ग़ज़ल

मुझे वह पहली सी उलफ़त जनाब दे जाओ
छुपाया फूल था जिसमें किताब दे जाओ

कहाँ नसीब मुझे छाओं तेरी उल्फ़त की
ना मांगूँ चाँद मुझे आफ़ताब दे जाओ

कटेगी उम्र फ़क़त ख़्वाबों के सहारे ही
अभी है बन्द पलक , कोई ख़्वाब दे जाओ

जो लौटना था तुम्हें, पास मेरे आए क्यूं
बस इस सवाल का मेरे जवाब दे जाओ

निगाहें भीगी सी, लब थरथरा के पूछ रहे
करोगे कितने सितम, तुम हिसाब दे जाओ

रेनु मिश्र

ग़ज़ल

मोहब्बतों के उजाले जो पाए जाते हैं
यहाँ चिराग़ नहीं दिल जलाए जाते हैं

ये मस्त आँखें बरसते हैं जिनसे जामे शराब
इन्ही से बिगड़े मुक़द्दर बनाए जाते हैं

मिले मिले न मिले भीख हम फ़क़ीरों को
तिरी गली में सदाएं लगाए जाते हैं

ये बारगाहे मोहब्बत है बा अदब बैठो
यहाँ पे आदमी इन्साँ बनाए जाते हैं

वह पहले पहल ख़्यालों में मेरे आते थे
ग़ज़ब है अब तो दिल पर भी छाए जाते हैं

ठहर ठहर के उन्हें देखते हैं दीवाने
वह जाते जाते क़यामत उठाए जाते हैं

हमारा चाँद हमारे क़रीब है 'रौनक'
अन्धेरी रात में हम जगमगाए जाते हैं

रौनक़ कानपुरी

अम्मा के लच्छे

अम्मा तेरे लच्छे को
जब जब पांव पहनते हैं
याद तुम इतनी आती हो
हम गाँव ठाँव भटकते हैं

छूता मेरी एड़ी को
कभी चमकता जाता है
पांव को सुन्दर करता है
ख़ुद भी दमक सा जाता है

पहना होगा तुमने भी
पैर भरे महावर में
आज सजाए बैठा है
मुझ जैसे यायावर के

घर की देहरी भी न लांघा
आज समन्दर पार खड़ा
तब संघर्ष किया कितने
आज भी सब के साथ लड़ा

चूम तुम्हारे पैरों को
लाया था जो जो बातें
चुपके चुपके कानों में
कहता कितनी ही रातें

तुम जानों या मैं जानूँ
या बस लच्छा चाँदी का
रातें कितनी क़ैद हुईं
स्वप्न लिये आज़ादी का

धीरे धीरे चलती हूँ
या दौड़ के आगे बढ़ती हूँ
साथ सदा मेरे लगतीं
क़दम जहाँ भी धरती हूँ

एक बार तुम मिल जातीं
कितनी बातें कह जातीं
मेरे मन की सुन लेतीं
अपनी भी कुछ कह जातीं

इन परदेसी रास्तों पर
क्यूं कर तुम मिल जाती हो
लच्छा मेरे पैरों पर
चलती तुम दिख जाती हो

अपनी हाथ लकीरों में
झांकती सी तुम दिखती हो
अब तो अम्मा कभी कभी
दर्पण में भी रहती हो

विनीता मिश्रा

ग़ज़ल

कहीं यक़ीन कहीं पर गुमां बना लिया है
हुसूल ज़ीस्त ग़मे दिलबराँ बना लिया है

उसने बख़्शे नए ज़ाविये तख़य्युल को
तो उसके ज़िक्र को हुस्ने बयाँ बना लिया है

वह मुअतरिफ़ है जुनू में फ़ना पसन्दी का
तो ख़ुद को ख़ाक किया राएगाँ बना लिया है

बुला रहा है वह मुझको सराब मन्ज़र में
तो अपनी प्यास को बेकराँ बना लिया है

वह कर रहा है मुझे रम्ज़ आश्ना नुसरत
तो अब सफ़र में उसे राज़दाँ बना लिया है

नुसरत मेंहदी

ग़ज़ल

अक्से शहकार हम सभी में है
एक फनकार हम सभी में है

कोई बेशक ना एतराफ़ करे
एक अय्यार हम सभी में है

अपनी आँखों से जो नहीं दिखता
वह गुनहगार हम सभी में है

सुनती रहती है अनकही बातें
ऐसी दीवार हम सभी में है

ख़ुद की तारीफ़ ख़ुद ही करते है
और ये आज़ार हम सभी में है

नीना सहर

साहेब ने फ़रमाया .....

अपना दिल बहलाने, तबियत हलकी करने वाले कामों और बातों के रास्ते से अपने को मत जोड़ना वरना यह तफ़रीह हासिल करने वाला तरीक़ा तुम्हारे अंदर बीमारयाँ पैदा कर देगा । फ़क़ीरी राह में पैर तोड कर बैठने वालों पर मत हंसो, तुम्हे फ़क़री रास्ते में इस तरह बैठना अपने को ख़लवत के सुपुर्द कर देना समझ न आएगा क्योंकि तुमने अपने को बाहर की ज़िंदगी से दिल बहलाने वाला बना रख है । ये रियाज़ में लगे हुए लोग एक दिन उस आसमानी कशिश के घेरे में पहुंचाकर, गिरोहे औलिया में दाखिल करके बातिनी हुकूमत करने वाले बना दिए जाते हैं ।

अपने घर में बेईमानी और बेइंसाफ़ी से ला कर एक ईंट भी अगर लगाई तो वो इस बात की ज़मानत (पुष्टि) है कि वो तबाह और बरबाद हो जाएगा । (ऐसे लोग जब तक ये समझते हैं तब तक बहुत देर हो जाती है) आप गौर से अपने आसपास देखें तो साफ़ नज़र आएगा । जैसे छायादार पेड़ तैयार होने में कम से कम 20–25 बरस लगते हैं । जो चीज़ जल्द हासिल होती है देर तक नहीं ठहरती (जैसे फूलों के पौधे) बहुत से काम सब्र से बनते है ।

ग़ज़ल

वाक़िफ़ था मेरे हाल से आगे निकल गया
वह इश्क़ था ज़वाल से आगे निकल गया

हर ग़म की देखभाल से आगे निकल गया
मैं अपनी ही मिसाल से आगे निकल गया

मैं भी न था हुदूद में उसके जवाब के
वह भी मिरे सवाल से आगे निकल गया

उस दर्द के है नाम मिरे दिल की सलतनत
वह दर्द जो मलाल से आगे निकल गया

उसके ही सामने है तलब उसके हिज्र की
लो, ज़ब्ते ग़म कमाल से आगे निकल गया

मुझको ये कह के टाल रहा है मिरा नसीब
तेरा शिकार जाल से आगे निकल गया

उसको कहा गया है ज़माने में जावेदाँ
वह इश्क़ जो जमाल से आगे निकल गया

तू साथ है तो साथ मिरे दिखता क्यूं नहीं
तु भी मिरे ख़्याल से आगे निकल गया

तूने पलट के देखा था जिस लम्ह एक बार
वह लम्ह माह व साल से आगे निकल गया

इक अजनबी से ग़म के तअक़्क़ुब में दिल मिरा
सांसो की देखभाल से आगे निकल गया

असलम राशिद

ग़ज़ल

अपनी आँखों को नम नहीं करते
ग़म की तासीर कम नही करते

दिल तो काग़ज़ है उनकी यादों का
इस पे सदमें रक़म नहीं करते

तज़किरह उनकी बेवफ़ाई का
लोग करते हैं हम नहीं करते

जलने वाले तो ऐब ढूढ़ेंगे
ऐसी बातों का ग़म नहीं करते

ये करम कम नहीं है हामिद पर
वह सभी पे सितम नहीं करते

हामिद भुसावली

हुज़ूर अब तो करम की निगाह कर दिजीये
बड़ी उम्मीद से दर पर खड़े हुए हैं हम
उठेंगें हम ना किसी तौर से भी चौखट से
हफ़ीज़ ज़िद पे इसी इक अड़े हुए हैं हम

हफ़ीज़ बिन अज़ीज़

ग़ज़ल

अपनी ख़ातिर यहाँ पनाह तो है
तेरी आँखों की ख़ानक़ाह तो है

रूह ख़ुश है कि तेरी चाह तो है
और इस चाह में भी राह तो है

बादशाहत दिलों पे है जिसकी
कोई ऐसा भी बादशाह तो है

रूबरू तेरे कुछ नहीं दुनिया
देखने में ये ख़ैर ख़्वाह तो है

अपनी मन्ज़िल से कैसे भटकुंगा
मुझपे भी पीर की निगाह तो है

दर ब दर जो हुआ तिरे दर से
कल ही क्या आज भी तबाह तो है

दे रहे हैं पता यही ख़ुद्दाम
हुस्न और इश्क़ में निबाह तो है

मा–सिवा तेरे कुछ अगर सोचूँ
ये भी मिरे लिये गुनाह तो है

कैसे जाओगे रू ब रू उनके
दिल तुम्हारा अभी सियाह तो है

बिन बताए जहाँ हो सुनवाई
शुक्र है ऐसी बारगाह तो है

नाज़ करता हूँ अपने मुर्शिद पर
उनसे रूहानी रस्म व राह तो है

नाज़ प्रतापगढ़ी

तज़मीन
बर कलामे हुज़ूर साहब

तुम्हारी सूरत से , सीरत से प्यार होई गवा
दम्भ जेतना रहा तार तार होई गवा
शुक्र जिंगी मा ई नेक कार होई गवा
मोरा जियरा जौ तुम पर निसार होई गवा
अब ई जीवन ही नौ लखा हार होई गवा

दूर अंधियार भा, रौशनी होई गई
हर कली फूल बनि बनि के महकन लगी
प्रीत कै रीत तुम्हरी बदौलत चली
देवता तुम बिराजे तो धरती हंसी
मन के मन्दिर कै सोलहो सिंगार होई गवा

कइसे अपने सनम कै बड़ाई करी
कइसे उनके करम कै बड़ाई करी
कइसे उनके धरम कै बड़ाई करी
कइसे उनके रहम कै बड़ाई करी
वो हवा जब चली बेड़ा पार होई गवा

उसकी दुनिया सजी, उसकी उक़बा बनी
मिल गयी उसको बेशक मुरादें दिली
इश्क़ की उसकी हस्ती को लज़्ज़त मिली
ये कली प्यार की जिसके दिल मा खिली
अइसे महका कि बाग़–ओ–बहार होई गवा

उनकी अँखियों से जब आँख अपनी लड़ी
अइसे लागा कि जियरा पा बिजुरी गिरी
'नाज़' जगमग भई जिस्म कै कोठरी
शीर व शक्कर में ये जान भीगी लगी
जाने जाना तो रस की फुहार होई गवा

नाज़ प्रतापगढ़ी

ग़ज़ल

अभी था पानी पे सर उठाए मगर वह अब बुलबुला कहाँ है
इसी तरह है ज़मीं पे इन्साँ मगर कोई सोचता कहाँ है

अभी कहाँ लुत्फ़ आशिक़ी का अभी हंसीं वह खुला कहाँ है
अभी मैं उसका बना कहाँ हूँ अभी वह मेरा बना कहाँ है

मिटा मिटा कर जो ख़ाक कर दे जला जला के जो राख़ कर दे
तिरी मोहब्बत का मेरे दिल में अभी वह शोला उठा कहाँ है

कहाँ है अल्फ़ाज़ का ख़ज़ाना बयान हो जिससे हुस्न जानाँ
जो अक्स कामिल दिखाए उसका जहाँ में वह आइना कहाँ है

हिरन सी आँखें सियाह ज़ुल्फ़ें गुलाब चेहरा शकर सी बातें
वह नूर पैकर सुकून सामां बस एक है दूसरा कहाँ है

है ज़र्रे ज़र्रे में नूर उसका हर एक शै है ज़हूर उसका
वह कम नज़र हैं जो पूछते हैं ख़ुदा कहाँ है ख़ुदा कहाँ है

उसी का जलवा गगन गगन में उसी की ख़ुशबू चमन चमन में
वही है फूलों की अंजुमन में वह रूए ज़ेबा छिपा कहाँ है

कहाँ से फ़ारूक़ ले के आऊँ नए मज़ामीं के गुल खिलाऊँ
बुज़ुर्ग सब कुछ तो कह चुके हैं मिरे लिये कुछ बचा कहाँ है

फ़ारूक़ जायसी

गीत

सरसों के सिंगार का मौसम
तोहफ़ों का उपहार का मौसम
रंगों का गुलनार का मौसम
चंदा के दीदार का मौसम
हर मौसम है प्यार का मौसम

बाबा गाऐ जा मलहार
दिन जीवन के हैं चार

दुख सुख दो, जीवन के धारे
इक दूजे पर वारे न्यारे
बहते हैं ये संग हमारे
किससे जीते? किससे हारे
सोचता क्या है नदी किनारे

डूब के हो जा पार
बाबा गाए जा मल्हार
दिन जीवन के हैं चार

शब्दों का खेल तमाशा
तेरी बोली मेरी भाषा
हर आशा हर एक निराशा
हो जाएगी रत्ती माशा
ख़ुद ही उठा ले अपना लाशा

जग को ठोकर मार
बाबा गाए जा मल्हार
दिन जीवन के हैं चार

ये जिस्मों की लाल हवेली
जैसे दुल्हन नई नवेली
लाख लकीरें एक हथेली
पल में हो जाएगी पहेली
तेरी क़िस्मत तेरी सहेली

पतझड़ हो कि बहार
बाबा गाए जा मल्हार
दिन जीवन के हैं चार

बे पर के पंछी फड़केंगे
सहरा में बादल कड़केंगे
सूखे पत्ते जब खड़केंगे
चट्टानों से दिल धड़केंगे
पानी से शोले भड़केंगे

कुछ न बचेगा यार
बाबा गाए जा मल्हार
दिन जीवन के हैं चार

नीला अम्बर खोले छाता
बाँह पसारे धरती माता
तोड़ के बैरी जग से नाता
टेक इसी दर पर माथा
वही है दाता वही विधाता

वही है खेवनहार
बाबा गाए जा मल्हार
दिन जीवन के हैं चार

जलील निज़ामी

ग़ज़ल

तितलियाँ गुल से लिपटी रहेंगी, मस्त भंवरे मचलते रहेंगे
जश्न पर जश्न होता रहेगा, दौर पर दौर चलते रहेंगे

एकता का जहाँ मे नज़ारा, पेश करता है गुलशन हमारा
हम इसी एकता के सहारे, सरकशों को कुचलते रहेंगे

नाम है अज़्म व हिम्मत का भारत, इक करिश्मा है कुदरत का भारत
इसके परचम के नीचे करोड़ों , पलते आए हैं पलते रहेंगे

हम में शक्ति भी है शान्ति भी, हम में चिश्ती भी है वेदान्ती भी
अपने बापू की आज़ाद धरती से जवाहर उबलते रहेंगे

मेरी धरती के झिलमिल सितारे, मन्दिरें , मस्जिदें, गुरुद्वारे
प्यार के ये सभी इस्तिआरे, मेरे शेरों में ढ़लते रहेंगे

जिसको इक़बाल व ग़ालिब ने लिखा,जिसको तुलसी ने मीरा ने गाया
हम वो नग़में लबों पर सजा कर रंगे महफ़िल बदलते रहेंगे

तू अजन्ता के ग़ारों में रोशन, ताज के तू मिनारों में रोशन
जिन चिराग़ों में ख़ूने वफ़ा हो, आँधियों में भी जलते रहेंगे

लाख तूफ़ाँ जलील आज़माए, लाख दुश्मन हमें वरग़लाए
हम अहिंसा की राहों में फिर भी, हमक़दम बनके चलते रहेंगे

जलील निज़ामी दोहा क़तर

मनक़बत
या शाहे मन्जूर,
रूह व नज़र के नूर

हर आशिक़ के दिल में बसे हैं
पास हमको देख रहे हैं
हर आशिक़ के दिल में बसे हैं
किसने कहा है दूर

या शाहे मन्जूर,
रूह व नज़र के नूर

हमको मिली आपकी निस्बत
आप हैं शमए राहे तरीक़त
प्रेम, मोहब्बत, उल्फ़त, चाहत
आपका है दस्तूर

या शाहे मन्जूर,
रूह व नज़र के नूर

सारे उठा कर राज़ से परदे
दिल में उजाला इश्क़ का कर दे
एक नज़र बस आपकी कर दे
संग को काहेनूर

या शाहे मन्जूर,
रूह व नज़र के नूर

अफ़ज़ल मंगलोरी

क़तआत

दिन रात ख़्यालों में गढ़ी जाती है
ख़्वाहिश की अमर बेल चढ़ी जाती है
सब कहते हैं सब छोड़के जाना है वहाँ
फिर भी हवसे माल बढ़ी जाती है

आसानी से खेल खेल में हंसते में
कुछ लोग उसे चाहते हैं सस्ते में
महबूब कहाँ मिलता है आसानी से
इक उम्र गुज़र जाती है इस रस्ते में

नुक़सान पे नुक़सान के हक़दार हैं वह
नादान समझते है कि हुश्यार हैं वह
खुद जो नहीं करते है किसी को भी माफ़
अल्लाह से माफ़ी के तलबगार है वह

फ़ारूक़ जायेसी

क़सीदह दर मदह
हज़रत मन्ज़ूर आलम शाह क़लन्दर मौज शाही रह०

ज़ी–वक़ार–ओ–इल्म–दाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं
इस ज़मीं पर आसमाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

मज़हबे इन्सानियत का दर्स हम सब को दिया
सब मज़ाहिब की ज़बाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

कोई बीमारी हो या दुख दर्द हो सब का इलाज
इल्मे हिकमत का निशाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

खुश मिज़ाज–ओ–ख़ुश बयाँ हमदर्द और पुरसाने हाल
ग़ुर्बा परवर मेहरबाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

आप हैं सूफ़ी क़लन्दर मौज शाही सिलसिला
ख़ानदाने इज़–ओ–शाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

जिस के हर गुन्चे में खिलते क़ौमी यक–जहती के फूल
एक ऐसा गुलसिताँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

हिन्दू मुस्लिम सिख इसाई सब से यकसाँ है सुलूक
सब के दिल में जावेदाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

जज़्ब–ए–हुब्बुल–वतन और क़ौमी यक–जहती की सोच
गंगा जमुनी कारवाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

आप के अफ़कार की तसनीफ़ है गूलर के फूल
बज़्मे रसखान इस की जाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

जिस तरफ़ देखो उन्ही के नाम का चर्चा है आज
दासताँ दर दासताँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

यूँ तो दुनिया की नज़र से दूर है वह अब जमील
गोशा–ए–दिल में नेहाँ मन्ज़ूर आलम शाह हैं

जमील क़िदवाई कानपुरी

मदह

न पूछिये आप हमसे कि कहाँ मन्जूर आलम हैं
यहाँ मन्जूर आलम हैं वहाँ मन्जूर आलम हैं

हर इक आशिक़ के होंठों पर अयाँ मन्जूर आलम हैं
हर इक मजजूब के दिल में नेहाँ मन्जूर आलम हैं

यहाँ तफ़रीक़ हो मज़हब की ये इम्कान न मुमकिन
हर इक दिल में मोहब्बत का निशाँ मन्जूर आलम हैं

हर इक मज़हब का पैरोकार ये एलान करता है
कि बेशक नाज़िशे हिन्दोस्ताँ मन्जूर आलम हैं

मोहब्बत और उख़वत भाई चारा और यकजहती
ये वह जज़्बे हैं जिनके पास्बाँ मन्जूर आलम हैं

ये वह दर है जहाँ इन्सानियत का दर्स मिलता है
कि हर आशिक़ के सर पर मेहरबाँ मन्जूर आलम हैं

शफ़ीक़ अश्आर कहना चाहता हूँ मदह में उनकी
के मेरी फ़िक्र में भी ज़ूफ़िशाँ मन्जूर आलम हैं

क़तआत

नज़र नज़र में है जलवा हुज़ूर साहब का
हसीन कितना है चेहरा हुज़ूर साहब का
तमाम अहले अक़ीदत सलाम करते हैं
बुलन्द कितना है रुत्बा हुज़ूर साहब का

बेशक मोहब्बतों का समन्दर हैं साहेबा
हर इश्क़ के मरकज़ का भी महवर हैं साहेबा
साहब के बाद अहले अक़ीदत की नज़र में
उल्फ़त वफ़ा ख़ुलूस का पैकर हैं साहेबा

शफ़ीक़ आब्दी

साहेब की याद में

यह जिनकी तारीक राह में दुआ के जुगनू रखते हैं
कुछ नादान उन्ही की राह में काट के नीबू रखते हैं

तंत्र मंत्र जादू टोने सब यहाँ पे सजदा करते हैं
ये फ़क़ीर सौ सौ जादू को प्रेम का जादू रखते हैं

इन्हें सदाएं दे लेना जिस वक़्त भंवर में फस जाना
नय्या पार लगा देंगे ये ऐसा चप्पू रख्ते हैं

जिसके ज़हन व दिल में बदबू अंग अंग में बदबू हो
ये उनकी भी ख़ातिर अपनी ज़ुल्फ़ मे ख़ुशबू रखते हैं

जल कर अगर ख़ाक हो जाएं तो ये हमारी करनी है
लेकिन अच्छे बुरे पे कृपा सूफ़ी साधू रखते हैं

फ़ितना फैलाने वालों पर गुस्सा आना लाज़िम है
जो फ़क़ीर कामिल हैं वह गुस्से पर क़ाबू रखते हैं

जिनको देख के लोगों के चेहरों पे मुस्कान आ जाए
मेरे साहब ख़ानक़ाह में दो इक पप्पू रखते हैं

अश्के नदामत ले कर फ़ारूक़ उनके दर पर जाओ तो
बड़ी ख़ताएं करे मुआफ़ ये ऐसी ख़ू बू रखते हैं

क़तआत

हैवान हैं इंसान नहीं हो सकते
ये साहेबे इमान नहीं हो सकते
बे वज्ह बहाते हैं जो इंसान का ख़ून
वह लोग मुसलमान नहीं हो सकते

☼

ऐ लोगो ! बचाना है मोहब्बत का बाग़
ग़ायब करो इस मुल्क से नफ़रत के चिराग़
शोलों से है शोलों का बुझाना बेसूद
मिटता है कहीं ख़ून से भी ख़ून का दसग़

फ़रूक़ जायेसी

ये तसबीह व सजादह व दलक़ नीस्त

हज़रत शेख़ सअदी रहमतुल्लाह अलैह इरशाद फ़रमाते हैं कि ख़िदमते ख़ल्क़ ही अस्ल इबादत है। सिर्फ़ तसबीह पढ़ने मुसल्ले पर बैठने और गुदड़ी लपेटने से इबादत का हक़ अदा नहीं होता।

परबत सरस धर्म नहीं भाई
पर पीड़ा सम नहीं अधमाई

(गोस्वामी तुलसीदास)

दूसरों को फ़ायदा पहँचाने के बराबर कोई धर्म नहीं है और दूसरों को दुख पहुँचाने से बड़ा कोई अधर्म नहीं है ।

शाह मन्ज़ूर आलम साहब बिला तफ़रीक़ मज़हब व मिल्लत मख़लूक़े ख़ुदा से मोहब्बत करते हर अमीर और ग़रीब को अपनी दुआओं , मोहब्बतों और शफ़क़तों से नवाज़ते तमाम मुरीदीन, मोहिब्बीन, मोतक़ेदीन और मुतावस्सेलीन फ़ुयूज़ व बरकात से मालामाल होते हर आने वाला उनके हुस्ने इख़लाक़ की तारीफ़ करता हुआ नज़र आता । बड़े बड़े षोरा, उदबा, दानिशवर और माहेरीने फ़न उनकी महफ़िल में हाज़िर होते उनकी गुफ़्तगू से फ़ैज़याब होते और दुआएँ हासिल करते।

आख़ीर में अपने एक क़तअ से बात मुकम्मल करना चाहता हूँ

ज़िन्दगी बे उसूल हो जैसे
तेरे बिन सब फ़ुज़ूल हो जैसे
तुझको देखूँ तो किस तरह देखूँ
इश्क़ गूलर का फूल हो जैसे

साहेब ने फ़रमाया.....

वह रूहानी इल्म उस मज़बूत क़िले की तरह है जिसके अन्दर दाख़िल हो जाने के बाद दस दुनिया में मौजूद किसी तरह की धूप–छाँव से नहीं गुज़रना पड़ता, ख़ौफ़ दिलाने वाले घटाव के झटकों से छुटकारा मिल जाता है । आख़िर कब तक सूरत परस्त रह कर इस बेजान ज़िन्दगी से अपने को जोड़े रखोगे । अगर तुम इसी तरह बेरूह ज़िन्दगी जीते रहे तो कभी इस क़ैद से छुटकारा न पा सकोगे । इस दुनिया की ज़िन्दगी के तौर तरीक़ों के मुताबिक़ जीने की जो समझ तुम्हें मिली है उसने तुम्हें इस लायक़ नहीं रहने दिया कि तुम इन बातिनी ज़िन्दगी की बातों को सुन कर उन्हें बरतने के लायक़ बन सको । रुक कर ध्यान दे कर हमारी बातें सुनो–ऐसे रहबर मिल जाएं तो उनसे अपने को जोड़ कर ख़ुद को बातिनी समझ रखने वाला बना लेना ।

पैदा कर देता है। यानी अल्म अगर अच्छे लोगों के पास पहुँचता है तो वह इसे तामीरी कामों में इस्तेमाल करते हैं, इल्म अगर ख़राब लोगों के पास पहुँचता है तो वह इसे तख़रीबी उमूर में इस्तेमाल करते हैं ।

करी गुलाब को आचमन मीठो कहत सुहाये
हे गंधी मत अंध तू इतर दिखावत कहाये
(अबदुर्रहीम ख़ानख़ाना)

गुलाब के इत्र को चाट कर कह रहा है कि बहुत मीठा है, ऐ इत्र वाले तू अक़्ल का अंधा है जो ऐसे आदमी को इत्र दिखा रहा है।

अगर कोई ना–अहल इल्मे तरीक़त व तसव्वुफ़ पर गुफ़्तगू करता है तो ये समझ लेना चाहिये कि वह पथरीली चट्टान पर फ़सल उगाने की नाकाम कोशिश कर रहा है हक़ीर परिन्दे को इन्जीर खिलाने का काम अन्जाम दे रहा है जिसे वह हज़म नहीं कर पाएगा और अगर कोई आलिमे हक़ साहबे तरीक़त व तसव्वुफ़ से गुफ़्तगू नहीं कर रहा है तो वह जुल्म कर रहा है, बुख़्ल से काम ले रहा है हक़दार को इसका हक़ अदा नहीं कर रहा है हालांकि आलिमे हक़ से ऐसा मुमकिन नहीं है किसी को क़ीमती सामान देने से पहले ये देखना ज़रूरी है कि जिसे क़ीमती सामान दिया जा रहा है वह इसका अहल है कि नहीं है इसका कासा इस क़ीमती सामान के लायक़ है या नही कासा से मुराद दिल है। अगर पाक व ताहिर शरबत को किसी नापाक कूज़ह में डाल दिया जाए तो सारा शरबत नापाक हो जाएगा। " जज़्बों की तहारत और क़ल्ब की पाकीज़गी तसव्वफ़ की पहली मन्ज़िल है ।

ऐ राहे वफ़ा के मुसाफ़िर अगर तुझे मन्ज़िले बक़ा की तलाश है तो ख़ुद को इश्क़े यार में फ़ना कर दे.....

तरुन फल नहीं खात हैं नदी ना संचय नीर
परमारथ के कारने साधन धरा शरीर
(अबदुर्ररहीम ख़ानख़ाना)

जिस तरह पेड़ अपने फल कभी नहीं खाते और नदी अपने पानी को कभी जमा नहीं करती इसी तरह सूफ़ी अपनी पूरी ज़िन्दगी बिना किसी लालच के ख़िदमते ख़ल्क़ में लगा देते हैं। शाह मन्ज़ूर आलम साहब ने अपनी तमाम ज़िन्दगी इबादत, रियाज़त और ख़िदमते ख़ल्क़ में गुज़ारी और तमाम लोगों तक मोहब्बत के पैग़ाम पहुँचाने का ख़ूबसूरत कारनामा अन्जाम दिया और लोगों को सच्चा रास्ता दिखाया बन्दगी के असल मक़सद से आगाह किया और लोगों के दिलों को जोड़ने का काम किया ।

ज़िन्दगी आमद बराए बन्दगी
ज़िन्दगी बे बन्दगी शर्मिन्दगी

मौलाना जलालुद्दीन रूमी इरशाद फ़रमाते हैं कि ज़िन्दगी बन्दगी के वास्ते है बिना बन्दगी के ज़िन्दगी शर्मिन्दगी है ।

इबादत बजुज़ ख़िदमते ख़ल्क़ नीस्त

आता है अगर ज़र्फ़ तो क्या हाजते इज़्हार
ख़ुद मुश्क हो ख़ुशबू कि हो ख़ुश्बू कहे अत्तार

तरीक़त व तसव्वुफ़ का मरतबा उलूम व रसूम से हासिल नहीं होता है । " तसव्वुफ़ दर असल इन्सान के नफ़्स को बा–अदब करने का नाम है।"

अहले तरीक़त व तसव्वुफ़ दो तरह के इन्सानों की निशानदेही करते हैं एक वो जो हाज़रीन हैं और दूसरे वह जो ग़ाफ़लीन हैं। हाज़रीन ज़िन्दा हैं और ग़ाफ़लीन मिसल मुरदा हैं । हाज़रीन वह हैं जो हमा वक़्त बारगाहे ख़ुदावन्दी में हाज़िर रह कर अपने रब का क़ुर्ब हासिल करने में मसरूफ़ नज़र आते हैं । दुनियादार दिलों को तोड़ने का और अहले तरीक़त व तसव्वुफ़ दिलों को जोड़ने का काम करते हैं.....

तो बराए वस्ल करदन आमदी
ने बराए फ़स्ल करदन आमदी

मौलाना जलालुद्दीन रूमी फ़रमाते हैं कि " तू मिलाने के लिये आया है ना कि जुदा करने के लिये। " हज़रत सय्यद सुल्तान मोहम्मद आरिफ़ अली शाह रहमतुल्लाह अलैह की ज़बान मुबारक से सुना है , इरशाद फ़रमाते है कि " जो इल्म अपनी कोशिश , काविश और सई से हासिल किया जाए वह इल्म नाक़िस है जो महज़ रब की मेहरबानी , उसके फ़ज़ल अता से हासिल हो वो इल्म कामिल है वही हमेशा रहने वाला है " । तक़वा, तरीक़त व तसव्वुफ़ का एक अहम जुज़ हैं । तक़वा के बारे में इरशाद फ़रमाते हैं कि " जफ़ा के लिबास को तर्क करना और वफ़ा के लिबास को इख़्तियार करने का नाम तक़वा है" वो इरशाद फ़रमाते है कि " अपनी ख़िलवत व जलवत को एक करने का नाम तक़वा है। " वो इरशाद फ़रमाते है कि दुनिया में रहते हुए दुनिया हासिल होते हुए दुनिया की तरफ़ पीठ कर लेना और रब की तरफ़ रुख करने का नाम तक़वा है ।

राहे तरीक़त व तसव्वुफ़ पर चलना संग–ख़ारा मुसल्ले पर इबादत करने या तलवार की धार पर चलने के मुतरादिफ़ है, ये सिर्फ़ और सिर्फ़ एक सूफ़ी सिफ़त इन्सान, अहले दिल मोमिन, पाक तीनत, नेक सीरत, बा–ज़र्फ़, मर्दे मुजाहिद और आलिमे हक़ से ही मुमकिन है ।

बर समा रास्त हर–कस चीर नीस्त
ताअमा–ए–हर मुर्ग़ ने इन्जीर नीस्त

मौलाना जलालुद्दीन रूमी इरशाद फ़रमाते हैं कि हर एक बात हर एक के सुनने की नहीं होती जिस तरह हर परिन्दे की ग़िज़ा इन्जीर नहीं होती। गुफ़्तगू करते वक़्त इस बात का ख़्याल रखा जाए कि जिससे गुफ़्तगू की जा रही है वह इसका अहल है या नहीं । सूरज की किरने जब फूलों पर पड़ती हैं तो ख़ुशबू फूट पड़ती है और जब गन्दगी पर पड़ती हैं तो बदबू फूट पड़ती है, बर्फ़ पर पड़ती हैं तो बर्फ़ पानी में तब्दील हो जाती है और जब पानी पर पड़ती हैं तब पानी भाप बन कर उड़ जाता है इसमें सूरज की किरनों की कोई ख़ूबी या ख़राबी नहीं है बल्कि जिस पर सूरज की किरने पड़ रही हैं ये उसके ज़र्फ़ पर मुनहसिर है, इल्म अगर अच्छे लोगों के पास पहुँचता है तो ख़ूबियाँ पैदा कर देता है और अगर ख़राब लोगों के पास पहुँचता है तो ख़राबियाँ

शाह साहब के इस ख़ूबसूरत शेर में यार से दूरी बरदाश्त नहीं है यार के क़दमों से जुदा होना किसी सूरत अच्छा नहीं लगता है।

शाह मन्ज़ूर आलम साहब का ख़ूबसूरत शेरी मजमूआ " गूलर के फूल " तरीक़त व तस्व्वुफ़ का तर्जुमान नज़र आता है जिसके दो शेर मुलाहिज़ा फ़रमायें.....

गुलसिताने उल्फ़त की दिलकशी नहीं भूली
ख़ुशबुओं का डेरा है फूल हैं सुहाने से
आप मुस्कुरायें तो सौ चिराग़ जलते हैं
रात यह नहीं कटती इक दिया जलाने से

गूलर को अरबी में जमीज़, फ़ारसी में इन्जीर अहमक़ , हिन्दी में गूलड़, अंग्रेज़ी में वाइल्ड फ़िग कहा जाता है। गूलर का फल जो इन्जीर से मुशाबह है मगर रंग में सुर्ख़ होता है इसे अरबी में तीन–अल–शोक़ी भी कहा जाता है। गूलर ही एक ऐसा फल है जिसके फूल के बारे में बहुत सी रवायतें, क़िस्से और कहानियाँ मशहूर हैं जिसे लोग एक ज़माने से सुनते चले आ रहे हैं कि गूलर का फूल आज तक किसी ने नहीं देखा इसका फूल रात के पिछले पहर खिलता है जिसे परियाँ चुपके से तोड़ कर ले जाती हैं। कई रवायतों में ये भी है कि गूलर का फूल गूलर के अन्दर होता है इसलिये इसे कोई नहीं देख सकता। गूलर का दरख़्त एक ऐसा दरख़्त है जिसमें बिना फूल के फल आते हैं। कुछ लोगों का ये भी मानना है कि अगर किसी को गूलर का फूल मिल जाए तो उसे किसी चीज़ की कमी नहीं रहती है। लोग गूलर के फूल की मिसाल भी देते हैं, "वह तो गूलर का फूल हो गये " यानी उन्होंने ख़ुद को पोशीदा कर लिया। गूलर के फल में एक ख़ूबी यह भी है कि गूलर के फल के अन्दर छोटे–छोटे ज़िन्दा भुंगे पाये जाते हैं। वह भुंगे इसके अन्दर कैसे पैदा होते हैं और कैसे ज़िन्दा रहते हैं यह एक कुदरत का करिश्मा है । इसी बात से गूलर के फल की इन्फ़िरादियत का अन्दाज़ा लगाया जा सकता है । हिकमत का मानना है कि गूलर के अन्दर जो भुंगे पाये जाते हैं वह आँखों की बिनाई के लिये बहुत मुफ़ीद होते हैं ।

गूलर के फूल की इस्तेलाह अहले तरिक़त व तसव्वुफ़ की इस्तेलाह हो सकती है अहले तरीक़त व तसव्वुफ़ अपनी नेकियों और ख़ूबियों को किसी पर ज़ाहिर नहीं करते गूलर के फूल की तरह अपने अन्दर पोशीदा रखते हैं और गूलर के फल की तरह मख़लूक़े ख़ुदा को फ़ायदा पहुँचाते हैं । वह रब की अता , फ़ज़ल और मेहरबानी से जिन दरजात और मुक़ामात पर फ़ायज़ होते हैं उन्हें वह राज़ रखते हैं । ज़ाहिरी आँखे ना तो उन्हें देख सकती हैं और ना ही आम इन्सानी अक़्ल समझ सकती है ।

अहले तरीक़त तसव्वुफ़ अपनी नेकियों को ऐसे पोशीदा रखते हैं जैसे गूलर अपने फूल को , जैसे आहू अपने मुश्क (कस्तूरी) को .....

कस्तूरी कुंडल बसिये मिंग ढून्ढे बिन माही
ऐसे धट धट राम हैं दुनिया जानत नाही
(कबीर दास)

किसी ने क्या ख़ूब कहा है .....

गूलर के फूल

सय्यद महताब हैदर सफ़ीपूरी

सूफ़ी शाह मन्जूर आलम साहब क़लन्दर मौज शाही उन्होंने अपनी किताब का नाम "गूलर के फूल " का इन्तेख़ाब किया , शायद उन्होंने गूलर के फूल को एक अलामत के तौर पर इस्तेमाल किया है । गूलर के दरख़्त का एक तारीख़ी वाक़्या कलियर शरीफ़ से भी मनसूब है ।

शाह मन्जूर आलम साहब की किताब गूलर के फूल की छठी जिल्द मुझे मोहतरम फ़ारूक़ जायसी से बा–ज़रिये शकील गयावी दस्तयाब हुई, जो ग़ज़ल नज़्म और मनक़बत का एक ख़ूबसूरत गुलदस्ता है जिसमें उन्होंने आसान लफ़्ज़ों में हिन्दी , उर्दू और पूर्वी ज़बान में वह ख़ूबसूरत शायरी की है जो आम क़ारी के ज़हन व दिल को मुतास्सिर करती है । वह एक ख़ूबसूरत लब व लहजे के शायर होने के साथ–साथ एक ख़ूबसूरत नस्र निगार , आला अदबी क़दरो के अमीन और गंगा जमुनी तहज़ीब के अलमबरदार थे। उनके यहाँ तरीक़त व तसव्वुफ़ की भरपूर आमेज़िश और ख़ुशबुएं पाई जाती हैं.....

दैर–ओ–काबा से अलग है राहे दिल
क्या करोगे पूछ कर मेरा धरम

शाह मन्जूर आलम साहब के सूफ़ियाना अशआर मुलाहिज़ा फ़रमाएं .....

हर वक़्त निगाहों में वह जलवा समाया है
हमने तो ख़ुदा अपना इस दिल में बसाया है
ऐ शेख़े हरम ये भी देखो तो कभी आ के
इक काबा मोहब्बत का रिन्दों ने बनाया है

ये ज़रूरी नहीं कि एहले इल्म व दानिश मेरे ख़्यालात और एहसासात से मुत्तफ़िक़ हों । शाह मन्जूर आलम साहब के मज़मून "ना चीज़ की बात " का आख़िरी जुमला " उनका तसव्वुर , उन्की बातें ,उनकी याद " आशिक़ हमेशा यार का ही तसव्वुर करता है यार की बातें करता है और यार को ही याद करता है, उनका ये ख़ूबसूरत जुमला तसव्वुफ़ की निशानदेही कर रहा है.....

एक की परसतिश में सारी उम्र गुज़री है
हम वहीं पे बसते हैं दिल जहाँ लगा आये

शाह साहब के इस शेर का मिसरा–ए–ऊला यार से इश्क़ का इज़्हार कर रहा है और मिसरा–ए–सानी हमा–वक़्त यार की क़ुरबत की तरफ़ इशारा.....

अब दूर कहीं जा कर हम जी नहीं पाएगें
क़दमों से जुदा होना इस दिल को नही भाता

तुम्हारे क़दमो पे है निछावर हमारा जीना हमारा मरना
यह जज़्बे दिल है तुम्हारी ख़तिर मिरी मोहब्बत कुबूल करना

इस पूरी ग़ज़ल में वर्णित विषय से लेकर भाषा भाव तक ऐसी कोई चीज़ नहीं है जो किसी की समझ से बाहर हो और 'गूलर के फूल' बस इसी प्रकार की शायरी से शोभित है।

'गूलर के फूल' का तीसरा जादुई वर्णित विषय भी बड़ा अजीब है कि इस पूरे काव्य संग्रह में सिर्फ़ एक बात ,एक भाव और एक विचार होने के बावुजूद भी हर एक शेर में अनोखापन है और अपना अलग अन्दाज़ है। पुनरावृत्ति के बावजूद बोरियत और उबाउपन नहीं है। इसी बात का एक उदाहरण दृष्टवय है

मुझे यह महसूस हो ना पाया कि मेरा कोई नहीं जहाँ में
कि जब भी उम्मीद कोई टूटी वह दिल को मेरे संभलता है

कहाँ मिलेगी यह चारासाज़ी मेरे मसीहा जो तुम ने की हैं
हमारे ऊपर इसी तरह से निगाह अपनी बनाये रखना

ऐ मेरे मसीहा तुम ऐसी ही नज़र रखना
इस शमअ शबिस्तां को बुझने से बचाना है

हम तो नहीं हैं ऐसे कि कुछ मांग भी सकें
उन पर भरोसा है वह निभायंगे देखना

उर्पयुक्त सभी शेरों में एक ही अर्थ प्रत्यक्ष है लेकिन चारों का अन्दाज़ प्रथक है, एक दूसरे से भिन्न है। अब अगर इसी बात को मैं शाह साहब के शब्दों में व्यक्त करूँ तो वह लिखते हैं ''जाने आप को इस किताब से क्या मिले, लेकिन इतना ज़रूर कहूँगा कि ' उनका तसव्वुर, उनकी बातें, उनकी याद ' तो इस की हर सतर में छुपी हुई दिखाई देगी ''।

(गूलर के फूल हिस्सा अव्वल)

'गूलर के फूल' का चौथी अप्रत्याशित (तिलिस्म) इसकी उक्ति में छिपी चाह और मोहब्बत है , जो उच्च शिख़र पर है मेरे विष्य और 'गूलर के फूल' में इस क़दर विस्तार है कि इस पर एक मोटी किताब लिखी जा सकती है। मगर सीमाओं में होने के कारण मैं अपनी बात को शाह साहब के इस गीत के साथ विराम देता हूँ और अपनी उसी बात को दोहराता हूँ जो 'गूलर के फूल' पर शत प्रतिशत सिद्ध होती है

हिरना समझ बूझ बन चरना
मन में बात भरी बहुरंगी

मन की बात ना करना
प्रेम बिना सब कांटा कांटा

(शेष भाग पेज न0 17 पर)

अल्लाह तआला जिस किसी भी साधारण व्यक्ति को यह हिम्मत, ताक़त, सामर्थय प्रदान करता है वह इस अंर्तमन, संसार की मोह माया विषय वासना से मुक्त हो जाता है। सांसारकिता से मुक्त ईश्वर में लीन हो जाता है और ज्ञान का प्रारम्भ इसी बात से होता है। ' गूलर के फूल' में इसकी इस भावना को इस तरह व्यक्त किया गया है.....

हस्ती को अपनी ग़ाफ़िल फिरता है क्या संभले
जो उन पे मर ना पाया उसको क़ज़ा ने मारा

कौन बताए क्या है दुनिया कौन किसी की माने
जिस ने आस लगाई इससे धोका खाता है

हमारा काम है बाज़ार में खडा होना
गुलाम की कोई क़ीमत नही लगी ना सही

'गूलर के फूल का दूसरा तिलिस्माती (जादुई) पहलू इसकी ज़बान है आजकल एक मुहावरा या वाक्य ज़्यादातर सभी समीक्षक व आलोचक अपनी हर समीक्षा व आलोचना में प्रयोग करने लगे हैं जिसकी वजह से इस वाक्य का महत्व एवं उपयोगिता ख़त्म हो गयी है लेकिन अब आप इसी जुमले को 'गूलर के फूल' की दृष्टि से देखें तो निःसन्देह आप मेरी राय से सहमत होंगे। 'गूलर के फूल' के अध्ययन से यह बात प्रत्यक्ष है कि शाह साहब ने यह शेर अकस्मात ही लिखे हैं। इनके काव्य में उपयुक्त शब्दों का चयन निश्चय पूर्वक नहीं बल्कि वर्णित विषय में लीन हो कर लिखे गये हैं और इनका अवतरण सिर्फ़ (अपने सन्देश को सामान्य जन तक पहुँचाया जा सके) इसलिये हुआ, इसमें भाषा व भाव का गहनता पूर्ण चयन नहीं है जो आम तौर से लोग किया करते हैं यहाँ प्रसिद्धि, ख्याति, योग्यता व प्रतिद्वन्दिता की बाध्यता नहीं बल्कि यहाँ तो वह शायरी है जो श्रवण रूचि से श्रेष्ठ है एवं भाव दृष्टि से दिलस्पर्शी है। ऐसे सरल एवं सुन्दर शब्दों का प्रयोग है कि बिना हर श्रोता की पहुँच तक पाठक उसके मर्म को समझता है। और सुनने वाला यदि आशिक़ हो तो उसे उस ज़मीन तक ले जाए जिसे स्वर्ग कहते हैं अर्थात मनमोहक और सुखदायक कहते हैं।

इस पूरे कलाम की भाषा और विषय वस्तु की प्रस्तुति आम शायरी से अलग है। उदाहरण स्वरूप ये ग़ज़ल देखें

यह दर्द तुम को पुकारता है हमारे दिल का ख़्याल करना
तुम्हारी दुनिया में आ बसे हैं हमारी जानिब निगाह रखना

तुम्हारी सूरत हमारा काबा हमारे दिल में तुम्हारा जलवा
वफ़ा परस्तों के दिल की दुनिया के तुम ख़ुदा हो यह याद रखना

बड़ा करम है जो दर्द देदें यह दिल को मैंने बता दिया है
कि उन की चाहत में रोज़ो शब तुम शमअ की मान्निद जलते रहना

अनुसरण एवं अनुगमन किया जाए। मैं अपनी बात को और स्पष्ट कर दूँ कि हर सन्त उस शिख़र तक नहीं पहुँचता कि वह पथ प्रदर्शक बन सके और दूसरों की गर्दन का भार अपने सिर पर उठाए किन्तु शाह मन्ज़ूर आलम साहब ने ऐसा किया, मतलब यह कि वह एक सन्त और एक सच्चे पीर(मार्ग दर्शक) थे तथा दूसरों के मार्ग को रौशन करने वाले भी। हर सन्त में यह विशेषता नहीं होती कि वह जनता को अच्छी सलाह दे सके क्यूंकि जनता में विभिन्न धर्म व सम्प्रदाय के लोग होते हैं तथा विद्वान व अशिक्षित सभी शामिल होते हैं, धनी व निर्धन हर स्तर के लोग होते है। यानी प्रवचन भी ऐसा हो कि किसी को उसका पालन करने में और स्वीकार करने में कष्ट न हो , हर वर्ग का व्यक्ति और हर स्तर का व्यक्ति उसके मर्म को समझ सके और किसी के भी दिल को उससे ठेस न पहुँचे। शाह साहब ने दीर्घ काल तक ऐसे मशविरे वाले प्रवचन दिये , निष्कर्षतः शाह साहब उच्च कोटि के वक्ता भी थे । मेरी दलील का आख़िरी हिस्सा यह है कि हर वक्ता के प्रवचन अर्थपूर्ण हों यह आवश्यक नहीं । स्पष्ट है कि शाह साहब के संपर्क में जो भी आया जिसने भी उनको सुना वह उनका प्रशंसक एवं उनकी योग्यता के बन्धन में बंध गया (क़ैदी हो गया)। सारांशतः वह प्रशंसा के पात्र थे। यही कारण है कि उनका आदर व प्रेम करने वालों में हर धर्म, संमप्रदाय व स्तर के लोग हैं जो उन पर अपनी जान न्योछावर करते हैं।

मैं ''गूलर के फूल'' के संदर्भ में वार्तालाप (चर्चा) करने से पहले शाह साहब की गद्य रचना का ज़िक्र करना चाहत हूँ । ''गूलर के फूल'' भाग तीन के प्रस्तावना में शाह साहब लिखते हैं कि ''सूरज की चमक ने दम तोड़ा, तपन और झुलसी हुई, मुरझाई ज़िन्दगी ने चाँद की ठन्डी छाया पा कर जब उसकी रुपहली किरनों की बारिश में नहाया और नहा कर दिमाग़ से दिल तक को मस्त कर देने वाली ठंडक पाया, तो समझ में आया कि रूहानी शायरी इसी चाँद के घर की चीज़ है ।

'गूलर के फूल' का तीसरा हिस्सा उसी चाँद की चाँदनी की देन है । मैं उसकी शीतलता और मादकता की जानिब पूरी तरह सर बा सुजूद हो कर दुआ माँग रहा हूँ कि इस के पढ़ने और सुनने वालों को यह नेएमतें ज़िदंगी में नसीब हों ।''

गद्य साहित्य की कौन सी ऐसी विशेषता है जो इन पंक्तियों में नहीं है यथा – विषय – प्रवाह, काव्यात्मक , प्रारम्भ, भाषा और कहने का नयापन विषय की व्याख्या में सहजता आदि ।

शाह साहब को उर्दू, फ़ारसी, हिन्दी और पूर्वी भाषा पर पूर्ण अधिकार था। मौलाना रूम की मसनवी शैली और वर्तित विषय की व्याख्या एवं अनुवाद किया , जो कि ''रहबरे तरीक़त'' के नाम से कई भागों में प्रकाशित हुआ है, इस के चौथे भाग के संक्षिप्त अध्ययन पर मैंने उसको विशिष्टताओं से युक्त पाया ।

अब आइये शाह साहब की शायरी का ज़िक्र करें एवं उसका ब्योरा लें कि आख़िर ऐसी क्या चीज़ है जो 'गूलर के फूल' को दूसरी रचनाओं की तुलना में प्राथमिकता दिलाती है। तो सर्वप्रथम हमें इसकी शायरी में छुपा हुआ वह सन्देश जो कि शाह साहब के उद्धिष्ट (उद्देश्य) की ओर इंगित करता है अपनी ओर आकर्षित करता है। यानि अपने अहंकार या अहम् से इन्कार, जबकि ये एक सामान्य व्यक्ति के लिये मुश्किल ही नहीं , अधिकाधिक कठिन कार्य है। लेकिन

"गूलर के फूल" के तिलिस्माती पहलू

लेखक : हफ़ीज़ बिन अज़ीज़ हिन्दी रूपांतर : डा० रेनू सिंह

जब हम उर्दू भाषा की उत्पत्ति और उन्नति का अध्ययन करते हैं तो यह बात हमें बेहद प्रभावित करती है कि इसके समृद्ध होने में सबसे अहम भूमिका हमारे अर्वाचीन समय की है जिसने अपने भावों एवं विचारों को प्रकट करने में, अपने प्रवचनों में जिस हिन्दवी भाषा का प्रयोग किया वही भाषा अपनी उन्नति के विभिन्न चरणों से गुज़र कर आज हमारे सामने एक श्रेष्ठ व समृद्ध भाषा के रूप में विद्यमान है ।

इस प्राचीन समय के कुछ नाम तो अत्यधिक महत्वपूर्ण एवं स्पष्ट हैं कि जिनके जिक्र के बग़ैर उर्दू ज़बान का इतिहास ही मुकम्मल नहीं होता, उदाहरण स्वरूपः हज़रत बन्दः नवाज़ गेसू दराज़ रह0 , हज़रत बाबा शेख़ फ़रीद उद्दीन गंज शकर रह0 , हज़रत ख़्वाजा कुतुब उद्दीन बख़्तियार काकी रह0 , हज़रत शेख़ हमीद उद्दीन नागौरी रह0 , हज़रत ख़्वाजा निज़ाम उद्दीन औलिया रह0 , हज़रत ख़्वाजा अमीर खुसरू रह0 , हज़रत ख़्वाजा बू अली क़लन्दर पानीपती रह0 , हज़रत शेख़ शर्फ़ उद्दीन यहया मुनीरी रह0 और हज़रत मख़दूम अशरफ़ जहाँनियान जहाँगश्त रह0 इत्यादि।

इन में से किसी ने तो अपनी गद्य रचनाओं द्वारा ईश्वर से प्रेम और भक्ति का सन्देश दिया एवं उस तक पहुँचने का र्माग प्रशस्त किया और किसी ने अपनी सुध–बुध खोकर अपने महबूब (ईश्वर) के ऐसे गुन गाए कि सुनने वाले भी मदहोश हो गये ।

वर्तमान में अध्ययन की जाने वाली पुस्तक " गूलर के फूल " भी एक महान सूफ़ी बुजुर्ग जिन को दुनिया हज़रत मंजूर आलम शाह क़लंदर मौज शाही " हुज़ूर साहब " के नाम से जानती है उन का यह काव्य संग्रह है। " गूलर के फूल " एक ऐसी जादुई शक्तियों से भरी पुस्तक है कि इसको जितनी बार पढ़ेंगे उतनी बार उस ख़ुदा को जानने–पहचानने के नये द्वार ज्ञात होंगे । हर बार एक नई ख़ुमारी मन–मस्तिष्क पर छा जाती है एवं अपने अहम् से मुक्ति और ख़ुदा से प्यार की प्रबल इच्छा जाग्रत होती है ।

वास्तविक्ता यह है कि शाह साहब की गिरानी में देवनागरी लिपी में इन रचनाओं का संग्रह छः भागों में प्रकाशित हुआ है, जिसके हर भाग में उन्होने अपने विचारों को प्रकट किया है। शाह साहब एक ऐसी शख़्सियत थे जिन्होने अपने दिल से सारी इच्छाओं का त्याग कर ईश्वर की ओर अपना ध्यान केन्द्रित किया और अपने अन्तर्मन की एकाग्रता से उच्च स्थान प्राप्त किया।

मेरी इस बात का तार्किक पक्ष यह है कि प्रत्येक सन्त मार्ग–दर्शक नही होता, हर मार्ग–दर्शक श्रेष्ठ वाचक या व्याख्याता नही होता एंव हर वक्ता इस योग्य नही होता कि उसका

मैं का करूँ मोरी मत बाउरानी
हीराए गई गुइयाँ बनी थी स्यानी

नजरियों की मारी हुई ये जवानी
जोशे जुनूँ की अजब गुल अफ़शानी

हर दम पुकारे संवरिया संवरिया

शाह साहब ने इस ज़बान में हम्द व नात और बुर्जुगाने दीन की मन्क़बतें भी लिखी हैं जो गीत के अन्दाज़ में अपना अलग लुत्फ़ रखती हैं शायरी के ताल्लुक़ से उनका कहना है कि :

" हमने शायरी रूह के लिये की है । न हमें अक़्ल मिली न हमने उसके लायक़ बनने की कुछ भी कोशिश की " ।

बहरहाल ये तो उनकी इन्केसारी है कि सूफ़ियाए कराम का यही वतीरह रहा है कि अपनी ज़ात ही नहीं अपनी फ़ुतूहात को भी शुमार में न लाएँ लेकिन इसमें कोई कलाम नहीं कि हुज़ूर शाह मन्ज़ूर आलम साहब की ये तमाम शायरी जिस हरारते क़ल्बी और इश्क़ सरमदी से इबारत है वह हम जैसे बे बसीरत लोगों को भी सरशारी अता करती है ।

साहेब ने फ़रमाया.....

तुम इस बात को ध्यान में रखना कि तुम्हारा आदमी की नस्ल से होना ही काफ़ी है कि तुम्हें उस आसमान वाले तक पहुँचने की राह दे दी जाए इसलिये कि हर पैदा होने वाले के साथ आसमान तक जाने वाली सीढ़ी मौजूद रहती है । शर्त सिर्फ इतनी है कि तबियत का रुझान उस आसमान वाले को पाने का और कोशिश गहरी लगन के साथ जुड़ी रहे और जो नियामतें बख़्शी जाएं उनका शुक्र अदा करना जानता हो । अगर तुमने सही रास्ते पर रह कर यानी दूसरों का दिल न दुखा कर, हर साथ जीने वाली मख़लूक़ चाहे वह जिस रंग जाति मज़हब की हो उसे अपना समझ कर बर्ताव रखा तो तुम्हारी तरफ़ आसमानी नियामतें उतारी जाएंगी और अगर तुमने अपने को इस राह के अलावा दूसरी तरफ़ देखने वाला बनाया यानी मज़हब परस्तों की राह अपनाई जो बातिनी न्यामतों से महरूम रहते हैं तो यक़ीन जानो कि तुम जितना कुछ पा चुके होगे तुमसे वापस ले लिया जाएगा।

सूफ़ी गिरोह के हर बुर्जुग ने ताकीद की है कि दुआ मांगते वक़्त अपने जिस्म से अलग हो कर अपने को किसी तरह से गुनाहगार न समझ कर सिर्फ़ अपने रूह होने का ख़्याल करके आजज़ी के साथ दुआ मांगना । इस सिफ़त को हासिल किये बग़ैर कभी भी एक नुक़्ते पर तुम्हारा ख़्याल जम नहीं सकता यानी मज़हबी गिरोह की तरह दुनिया की ख़ुराफ़तें याद करने में और मुँह बना बना कर ख़्याली ख़ुदा के सामने रोने में अपना वक़्त ख़राब न करना इसलिये कि जब दिमाग़ बहुत सी बातों को याद करने में लग जाता है तो फिर कभी एक मरकज़ पर जमा नहीं हो पाता ।

पारसाई क्या करें किस काम की
मैकदे में जो गया ज़िन्दा हुआ

ये जुनूँ मुझको तिरे कूचे में ले कर आ गया
जुस्तजू थी जिसको पाने की उसे दिल पा गया

मेरी तलब को और कुछ इसके सिवा न चाहिये
लाइये हाथ दीजिये दस्ते करम बढ़ाइये

आओ रिन्दो चलो मैकदे को चलें और अपना कहीं भी गुज़ारा नहीं
एक साक़ी है जिसके क़दम चूमिये और दुनिया में कोई सहारा नहीं

कौन पूछे किसे इस कड़ी धूप में हर तरफ़ एक मातम बपा है यहाँ
तुम बनोगे हमारा सहारा अगर तब तो ऐ नाथ हम बे सहारा नहीं

एक मख़सूस रंग व आहंग में डूबे हुए अश्आर के मजमूए " गूलर के फूल " में तवील बहरों में भी ग़ज़लें हैं और मुख़्तसर बहरों में भी। सहले मुम्तनअ से इबारत यह अश्आर दाख़िली कैफ़ व कम की जो तस्वीर पेश करते हैं वही तो सूफ़ियाए कराम की रूहानी दुनिया के इज़हार की अलामत हैं। शाह तुराब अली क़लन्दर से अज़ीज़ुल हसन मजज़ूब तक का कलाम ऐसी ही सरमस्ती और सरशारी से इबारत है। शाह मन्ज़ूर आलम साहब उर्दू हिन्दी के अलावा इलाक़ाई बोलियों पर भी दस्तरस रखते थे। चुनानचः अपनी शायरी में उन्होंने इन ज़बानों को अपनी दाख़िली जज़्बात व एहसासात का ज़रिया बनाया। इस रंग में उन्होंने ग़ज़लें भी कहीं और गीत भी लिखे.....

तुम्हरे दर पे कटे उमरया तुम्हरन साथ गुज़ारा होए
ऐसी ग़रीबी मा बालम तोहरे एक सहारा होए

मन्दिर मस्जिद हम का जानी तीरथ बरत न हम पहचानी
डगर वही बस तुम्हरे दर की तुम बिन कसत गुज़ारा होए

हरि हर नाम सुमर ले भाई
ई दुनिया कुछ काम न आई

माया ई बहुरंगी बहुत है
इससे हार गई चतुराई

कन्हैया रे तोहरी ग़ज़ब की बाँसुरिया
लागे करेजुआ में बरछी कटरिया

जैसे बुर्जुगों का नाम काफ़ी अहम है, शाह मन्जूर आलम साहब ने रसखान के नाम से अपनी शेअरी तन्ज़ीम बना कर गोया रसखान को भी ख़िराजे अक़ीदत पेश किया है।

शेर–व–अदब पर उनका मुताअला वसी था खुसूसन शायरी की मुख़्तिलफ़ असनाफ़ पर हम जैसे तालिबे इल्म अश–अश करने के अलावा और कर भी क्या सकते थे। मेरी किताब ''मसनवी कानपुर नामा '' पर मेरी दरख़्वास्त पर उन्होंने जो पेश लफ़्ज़ लिखा है वह उनके वुस्अते मुताअला और अमीक़ निगाही का बय्यन सबूत है। ग़ज़ल की रमज़ियत और इशारियत पर उनकी जैसी निगाह बहुत कम लोगों के हिस्से में आई है। वह ग़ज़ल में ग़ज़ल के तरफ़दार थे। वह इससे आगाह थे कि हिकायत बा यार गुफ़्तन में लफ़्ज़ यार अपने अन्दर कितनी वुसअत और कितनी माअनवियत रखता है। उनकी शेरी महफ़िलों में शिरकत करने वाले शोअरा भी इस बात का खुसूसी ख़्याल रखते थे कि रवायती आहंग मजरूह न हो। उनका शेरी मजमूआ ''गूलर के फूल'' जो उनकी ज़िन्दगी में हिन्दी रसमुलख़त में शाए हुआ था और उनके विसाल के चार साल के बाद उर्दू रसमुलख़त में ख़ूबसूरत और जाज़िब नज़र गेटअप में मन्ज़रे आम पर आया है ऐसी ऐसी शायरी से इबारत है। यहाँ गूलर का फूल भी अपने अन्दर गहरी मानवियत रखता है। रवायत है कि ये नायाब और नापैद फूल अगर किसी को मिल जाए तो वह बादशाह हो जाता है। अहले बातिन के यहाँ गूलर का फूल इश्क़ का ऐसा इस्तेआरह है कि उसको पाने के बाद फिर किसी चीज़ की हाजत नहीं रहती–––

शाद बाश ऐ इश्क़ तू सौदाएमा
ए तबीबे जुम्ला इल्लत हाए मा

गूलर के फूल के हवाले से ये चन्द अश्आर भी मुलाहेज़ह करें––

नूर के साँचे में दिल ढ़लने लगा
अब ज़मीं से आसमा मिलने लगा
यार के कूचे में मुझको ले चलो
दिल बहुत बेचैन सा रहने लगा

इक नक़्श है ख़्याल में उसको संवार दो
तुम ख़ुद को मेरे साथ ज़मीं पर उतार दो
जानें भी तो लोग ये भी किसी का गुलाम है
ऐसी ज़बाँ से नाम हमारा पुकार दो

क्या बताऊँ क्या हुआ कैसे हुआ
जैसा चाहा आपने वैसा हुआ

दिलबरी ऐ दिलबरी ऐ दिलबरी
मैं तिरी ख़ातिर जिया अच्छा हुआ

सूफ़िया–ए–कराम और बुर्ज़गाने दीन के मारूफ़ मसलकों यानी चिश्तिया, क़ादरिया, सहरवरदिया और नक़्शबन्दिया के उसूल व ज़वाबित को दिलों में सजा कर और उनसे अलग रहकर जिन बुर्ज़ुगों ने बड़े कारनामें अन्जाम दिये उनमें मुताकद्देमीन में सूफ़िया–ए–कराम की एक तवील फ़ेहरिस्त है लेकिन माज़ी क़रीब में और हमारे अतराफ़ में शाहनियाज़, हाजी वारिस अली शाह, सुल्तान आरिफ़ शाह, हज़रत आसी ग़ाज़ीपूरी और शाह मन्ज़ूर आलम साहब वह बुर्ज़ुग हैं जिनके चिराग़ों से हमें यही रौशनी मिलती है। यह साहेबाने हाल व क़ाल मुसलमानों से ज़्यादा बिरादराने वतन को रूहानी मुजाहिदे के क़रीब लाने के लिये अपना सानी नहीं रखते थे।

तौहीद की अमानत सीनों में है हमारे
आसाँ नहीं मिटाना नामों निशाँ हमारा

तौहीद की इस अमानत से बिरादराने वतन के दिलों को सरफ़राज़ करना इन गुर्ज़ुगों के कारनामों में सबसे बड़ा कारनामा है। मुसलमानो के दरमियान पीरी मुरीदी की तस्मापाई से अलग हट कर ऐसी रविश इख़्तियार करना जो कल्मा गोइयों के अलावा दूसरों को भी मुतास्सिर करे ये अहम है। आज ग़ैर मुस्लिमों के दिल में मुस्लिम सूफ़ियों के तेईं जो अक़ीदत और एहतराम है उसकी बुनियाद शायद यही है। हमारे शाह मन्ज़ूर आलम इसी रविश के अलम्बरदार थे उनकी ख़ानक़ह मौजशाही के दर–व–बाम इस बात के गवाह हैं कि यहाँ दिलों को जोड़ने का काम किया गया । मुझे उनके हल्क़ए दर्स में बैठने का बारहा इत्तेफ़ाक़ हुआ और मैंने ये महसूस किया कि उनके दर्स का हासिल तौहीद की शमा को हर दिल में रौशन करना ही था । मौलाना रूम उनके मुरशिद थे । मसनवी मौलाना रूम का दर्स उनके मकतब में दाख़िले निसाब था । वह मसनवी सब्क़न–सब्क़न पढ़ाते थे और उसका तर्जुमा बिरादराने वतन को समझाने के साथ–साथ लिखवाते भी थे और बाद में उसे पढ़वा कर सेहत लफ़्ज़ी और माअनवी पर भी तवज्जह फ़रमाते थे। (मसनवी के ये असबाक़ रहबरे तरीक़त के नाम से हिन्दी में कई ज़ख़ीम जिल्दों में शाए हो चुके हैं) शाह साहब की वजाहत उनके दर्स के साथ दिलों पर नक़्श होती रहती थी। उनकी ख़ानक़ाह मौजशाही के तरबियत याफ़्ता लोगों में दुनियावी ताअलीम से आरास्ता लोग भी हैं और इश्क़ की सरमस्ती और सरशारी से आश्ना भी ।

बनदा–ए–इश्क़ शुदी तर्क नस्ब कुन जामी
कि दरीं राह फुलाँ इब्न फुलाँ चीज़े नीस्त

शाह साहब को फ़ने तिब से भी लगाव था। वह देसी जड़ी बूटियों से अपने अक़ीदतमन्दों का जिसमानी इलाज भी करते थे और लोग शिफ़ायाब होतें थे। उनकी निगाह फ़न मूसीक़ी पर भी बहुत गहरी थी। वह न सिर्फ़ ये कि मूसीक़ी बल्कि लफ़्ज़ों की अदाएगी पर भी ख़ुसूसी जवज्जह देते थे। अपनी अदबी अन्जुमन " रसखान " के तहत वह ख़ानक़ाह में हर चौथे महीने एक शेरी निश्सित और हर साल एक बड़ा अवामी मुशायरा कराते थे जिसमें हिन्दुस्तान भर के मारूफ़ मगर मुस्तनद शोअरा शिरकत करते थे। ये मुशायरा और शेअरी निशिस्तें आज भी उनकी ख़ानक़ाह में जारी हैं। हलक़–ए–सूफ़िया में वह बुर्ज़ुग जिन्होंने इलाक़ाई ज़बानों को अवाम में हक़गोई व हक़शनासी के लिये इस्तेमाल किया, उनमें मलिक मोहम्मद जायसी और रसखान

बन्द–ए–इश्क़ सूफ़ी शाह मन्ज़ूर आलम

ज़िया फ़ारूक़ी

तू बराए वस्ल करदन आमदी
ने बराए फ़स्ल करदन आमदी

देखा जाए तो सूफ़िया ए कराम की तालीमात का मक़सद और महवर हमेशा यही जज़्बा रहा है। बुर्जुगाने हाल–व–क़ाल ने अपनी तालीमात के ज़रिये न सिर्फ़ ये कि दिलों को जोड़ने का काम किया बल्कि रंग व नस्ल से बुलन्द हो कर इन्सानियत की आला क़दरों की पासदारी भी की और पासबानी भी और आज जो ये बर्रे सग़ीर में मज़हबी रवादारी के चिराग़ हैं यह उन्ही सूफ़िया–ए–कराम की ज़ाते–बा–बरकात की ताअलीमात के तूफ़ैल हैं ऐसी ही एक शख़्सियत कानपूर में ख़ानक़ाह मौज शाही के साहबे सज्जादह शाह मन्ज़ूर आलम साहब की थी जो तक़रीबन छः दहाइयों तक ख़ुसूसन बिरादरीने वतन के दरमियान तौहीद के साथ–साथ उख़वत और यकजहती का दर्स देते रहे और 16 अक्टूबर 2015 तक़रीबन अस्सी साल की उम्र में अपने मुरीद और मुअतक़ेदीन का एक बड़ा हल्क़ा छोड़ कर इस जहाने बेसिबात से किनारा किया ।

शाह मन्ज़ूर आलम साहब की शख़्सियत के इतने पहलू और रंग हैं कि मुझ जैसे कोतह नज़र के लिये मुमकिन नही है कि उनका एहाता कर सकूँ। अहले तसव्वुफ़ में उनका मुक़ाम और मर्तबा क्या था ये तो साहबाने हाल–व–क़ाल जानें । मैं तो इतना जानता हूँ कि उनकी शख़्सियत ऐसी दिलआवेज़ थी कि उन्हें मुसलसल देखते रहना ही हल्क़–ए–इरफ़ानिया की तमाम बरकतों को दिल में समो लेना जैसा था। ज़मान–ए–हाल में जिन सूफ़ियाए कराम से मैं बेइन्तेहा मुतास्सिर हुआ हूँ उनमे ख़ानक़ाह काज़मिया काकोरी के औरंग नशीनों के अलावा मजगवाँ के सुल्तान आरिफ़ शाह और ख़नक़ाह मौजशाही के शाह मन्ज़ूर आलम साहब अज़ीम रूहानी ज़ावियों से मुत्तसिफ़ थे। शाह साहब को देख कर हमेशा अल्लामा इक़बाल के साक़ी नामे का ये शेर ज़बान पर रक़्स करने लगता है .....

ख़ुदी का नशेमन तिरे दिल मे है
फ़लक जिस तरह आँख के तिल में है

वह कम–गो थे लेकिन अपनी इक–इक अदा से इस शेर की माअनवी तफ़सीर थे ख़ुदी उनके लिये पैराहने जाँ थी।हम जैसे बे बसीरत लोगों के लिये ज़ात की निगहबानी बहुत मुश्किल काम है मगर दुरवेश अपनी तवज्जह से इस निगहबानी को अपने इरादतमन्दों पर आसान फ़रमा देता है। हज़रत शाह मन्ज़ूर आलम साहब में ये ख़ुसूसी वस्फ़ था कि वह अपने इरादतमन्दों को ख़ुदा और ख़ुदी से बग़ैर किसी मशक़्क़त के रुशनास और मुताअरुफ़ करा देते थे।

निश्चय ही कुछ ऋषियों ने जाना था।'' जिस एशियाई आध्यात्मिक चिंतन और अनुभव की प्रणाली का वह उल्लेख कर रहा है, वह अधिकाँशतः एशिया के भी अधिकाँश भागों में अब प्राप्य नहीं है। इस सन्दर्भ में हम भारत को चुने हुए भूभाग के रूप में स्वीकार करने को विवश हैं, जहां भारत और एशिया के अन्य भागों की आध्यात्मिक प्रणालियों को अपने सिलसिले को ज़िन्दा रखने का अवसर मिला। विभिन्न शैव, वैष्णव, बौद्ध आदि परम्पराओं से लेकर सूफ़ियों के सिलसिले मानवता के लिए जीवन शक्ति के सेतों के रूप में यहां संरक्षित हुए। कैसे ये मानवता के भैतिकतावादी संकट से उबारने के उपाय हो सकते हैं यह समझने के लिए तीन भिन्न परम्पराओं के संतो की बातें यहां शब्दशः उतार देना पर्याप्त होगा –

'' इश्क़ एक न्यामत है, कायनात के अंदर एक भेद है कि उसकी एक चिंगारी सीने में उतर जाए और बुझने से बचा लिया जाये तो यही आदमी परवाज़ करे। आसमान से तारे तोड़ कर लावे और उन्हें बिछाकर ज़मीन को ऐसी रौनक़ बख़्शे कि सदियों उसकी मांग जगमगाये और यह ज़मीन ज़मीन कहलाने के लायक़ बन जाए।''

(शाह मंजूर आलम साहब)

'' हम सब एक ही मार्ग के पथिक हैं। ये सब बहने वाली जलधाराएं उसी एक महासिंधु की ओर प्रवाहित हैं। हम सबको उस आनंद की आवश्यकता है, जिसको प्राप्त करने के बाद कोई दुःख व्याप्त न हो। ''

स्वामी राम (हिमालय)

'' संसार में कर्म और धर्म दोनों मनुष्य के शरीर में बने रहने से हमेशा जीत होती है। इससे मनुष्य को चाहिए कि किसी को धोखा न दे, नीति बताता रहे। अहंकार जो है मूल जड़ दोषित है। इसी वजह से मनुष्य अगर अपना ध्यान लगाए तो अवश्य जीत होती है।

(महात्मा बैकलदास)

कहने का मतलब कि अध्यात्म या रूहानियत और उसके उपाय या साधना कोई पार्ट–टाइम काम नहीं, बल्कि अंदर और बाहर के जीने के तरीक़े को ही बदलना है। यही रास्ता दुनियादारी से बचने का , दुनिया को बदलने और दुनिया को बचाने का। जब व्यक्तिगत स्तर पर जीवन का उद्देश्य न हो और मानवता के सामने सामने कोई लक्ष्य न हो तो साधन ही साध्य हो जाते है– एक अंधी दौड़। मुश्किल मामला यह है कि साध्य या लक्ष्य का तो दिल का मामला है । प्रेम, आनंद, इश्क़ किसी वैज्ञानिक प्रयोग का प्रतिफल नहीं हो सकते, तर्क और वस्तुनिष्ठता की कसौटी इन पर लागू नहीं होती – दिमाग़ की पकड़ से दूर दिल की दुनिया से जुड़ी चीज़ें। तो एकतरफ़ा वैज्ञानिकता और सेकुलरिज़्म कहाँ ले जा सकता है दुनिया को? थमना,पलटना, फिर से एक बार सोचना आज हमारी ज़रूरत है – दुनिया की ज़रूरत है।

भौतिक युग और आध्यात्म

डॉ0 प्रशांत त्रिपाठी

आज विश्व में वैज्ञानिकता, तर्क, सेकुलरिज़्म इत्यादि के नाम पर भौतिकतावादी दृष्टिकोण जीवन के सभी पक्षों पर छाया हुआ है , जबकि इस दृष्टिकोण के उद्भवस्थल यूरोप की धरती से आरम्भ होने वाले दो विश्वयुद्ध दुनिया भुगत चुकी है और इनसे कई गुना भयानक तीसरे विश्वयुद्ध की आशंका दिनोंदिन गहराती जा रही है । घातक जैविक , रासायनिक , परमाणु हथियारों का ज़ख़ीरा लिए कुछ लोग धरती से जीवन का अंत करने के लिए सन्नद्ध हैं। पर्यावरणीय संकट इतने विकराल हो चुके हैं कि धरती के मानव जीवन के येग्य न रह जाने का ख़तरा अब सामने आ चुका है। ऐसे में ज़रूरी है कि थमकर देखा जाये कि गड़बड़ी हुई कहाँ पर। समझा जाये कि इन सवालों का हल कुछ है भी कि नहीं और है तो कहाँ और क्या।

दरअसल पिछले कुछ सौ सालों की हमारी विकास यात्रा एकांगी हो गई। यूरोप में धर्म ने कुछ ऐसा रूप धारण किया कि उसमें अध्यात्म और साधना की परम्पराएं पृष्ठभूमि में चली गयीं। यूरोपीय विचारों ने जैसे जैसे दुनिया को क़ब्ज़े में लिया, यह प्रवृत्ति फैलती गयी। इस काल का सबसे बड़ा लक्षण दुनिया के तमाम इलाकों से आध्यात्मिक और संत परम्पराओं का लुप्त हो जाना था संयोग अथवा नियति , जो भी हो, एकमात्र भारत इसका अपवाद रहा। विभिन्न मतों और साधना पद्धतियों से जुड़ी जीवंत आध्यात्मिक परम्पराएं यहाँ प्राप्य हैं। दुनिया के दार्शिनिक और विचारक यह मान चुके हैं कि भौतिकतावादी चिंतन की अपनी सीमाएं हैं और मानवता को संकट से उबारने के लिए हमें उन आध्यात्मिक परम्पराओं की ओर दुबारा देखना होगा, जिन्हें एक बार पुराना और अनुपयोगी घोषित कर दिया था।

20वीं सदी के सम्मानित विचारक सोरोकिन ने रूस और अमेरिका दोनों ही की व्यवस्थाओं को नज़दीक़ से देखा था। सोरोकिन ने अनेक समकालीन विचारकों का अध्ययन कर स्वीकारा कि 'प्रेम' के बिना वसस्तिविक सभ्यता नहीं हो सकती। 'पुर्व–पश्चिम दार्शनिक सम्मेलन' की रिर्पोट में कहा गया कि ऐसे विश्व दर्शन की आवश्यकता है जो सर्वकालिक और सर्वव्यापी होना चाहिए और इसमें संपूर्ण मानवता के अनुभव निहित होने चाहिए। संपूर्ण सत्य इस दर्शन और साथ ही संसार का रक्त हैं।

प्रश्न है कि ऐसा दर्शन , ऐसी वैचारिकी, ऐसा दिल–दिमाग़ आएगा कहाँ से? इसका जवाब हमे दार्शनिक और लेखक पॉल ब्रंटन के कथन में मिलता है – " यहाँ पाश्चात्य चिंतक सामाप्यतः यह दावा करते हैं कि किसीने अंतिम सत्य को नहीं खोजा और मानवीय क्षमताएं इतनी सीमित हैं कि किसी के द्वारा उसे खोजने की संभावना भी नहीं थी, जबकि प्राचीन एशियाई ग्रथों के रचने वालों का दावा था कि अंतिम सत्य निश्चय ही खोजा जा सकता है और

ऐसा जो कोई यार कहीं हो तो बताऊँ
बाज़ार में मिलता हो तो बाज़ार से लाऊँ
इस शक्ल की तस्वीर बनी हो तो दिखाऊँ
तुमको जो तमन्ना हो के मैं भी उसे पाऊँ

इस दिल में उतर कर उसे ढूंढों तो मिलेगा
ऐसे नहीं मिलता उसे पूजो तो मिलेगा

वह नूर है हर सिम्त उजाला है उसी का
सब उसके तलबगार हैं चर्चा है उसी का
ये जल्वा गाहे नाज़ है जल्वा है उसी का
पर्दे में वह रहता है ये पर्दा है उसी का

आशिक़ बनो ये दर्द बसाओ तो मिलेगा
मिलता है मगर पहले खो आओ तो मिलेगा

वह चाहे तो बिगड़ी हुई तक़दीर बना दे
मझंधार में हो नाव तो साहिल से लगा दे
ज़िन्दा करे हर शै को उजाड़े तो बसा दे
सो जाए बहारों का मुक़द्दर तो जगा दे

ये रहम व करम उससे निबाहो तो मिलेगा
बस एक वही है उसे पूजो तो मिलेगा

"मुशते नमूना अज़ ख़रवारे" के तौर पर मज़कूरा अश्आर पेश किये गए हैं जो उनके फ़िक्रो फ़न और नज़रिया शेर गोई के लिये काफ़ी हैं। हक़ीक़त ये है कि उनका पूरा दीवान इसी कैफ़ व रंग में डूबा है। ज़रूरत इस बात की है कि कोई स्कालर उर्दू के सूफ़ी शोरा का मवाज़नाती मुतअलाअ कर हज़रत शाह साहब के कलाम की इन्फ़रदियत का तअय्युन करे जिससे कि उर्दू के सूफ़ी शोअरा में उनके मुक़ाम व मर्तबे का तअय्युन हो सके तो ये काम यक़ीनन उनके शायाने शान होगा। मुझे उम्मीद क़वी है कि उनकी यादगार में क़ाएम तनज़ीम साहब स्मृति फ़ाउन्डेशन कानपुर, इस जानिब ज़रूर तवज्जह करेगी इन्शाअल्लाह। उन्हीं के दर्ज ज़ैल शेर पर अपनी इस बे माया तहरीर को विराम देता हूँ.....

पाबन्दे वफ़ा होना ही शर्त मोहब्बत है
दीवाने कभी उठ कर इस दर से न जाएंगे

(शेष भाग पेज न० 4 पर)

दिल बेचारा दर्दे वफ़ा का मारा हाथ पसारे है
मुझ पे नज़र करम की रखना इतनी अर्ज़ सनम से है

दौड़ के आया ज़ुल्फ़े दुता की क़ैद में ख़ुद दीवाना बना
इस ज़न्जीर से मेरे पाँव का रिश्ता कई जनम से है

इसी तरह के कुछ और मुत्फ़र्रिक़ अशआर पेशे ख़िदमत हैं मुलाहेज़ा फ़रमाएं .....

मुँह पे वह ख़ाक दरे कुए सनम जिसने मली
उसने फिर मुड़ के न देखा कभी दुनिया की तरफ

इतना आया है समझ में कि यहीं सजदा करूँ
देखती है ये नज़र बस उसी जलवा की तरफ़

दुनिया में एक चीज़ यही काम की मिली
दामन पे दाग़े इश्क़ लगा रहने दीजिये

बीमारे इश्क़ के लिये बस वह नज़र बहुत
बेकार है दवा ये दवा रहने दीजिये

पयामे ज़िन्दगी ले कर मसीहा बार बार आया
न देखी हो तो जन्नत देख लो क्या चीज़ है यारो

मेरे दिल की बस्ती में चाँद बनके रौशन है
ज़िन्दगी की रातों में हुस्न का उजाला है

निगाहे रहम अपनी उसने मेरे हाल पे जब की
फ़िज़ा महकी चमन में यार मेरा मश्क बार आया

मुझ पर मिरे हुज़ूर ने ऐसी निगाह की
जैसे किसी ग़रीब पे आलम पनाह की

वह इश्क़ में कशिश थी के फिर छुट नहीं सका
उनके ही दर पे मिटने की इस दिल ने चाह की

गुलामी में तुम्हारी वह मज़ा पाया है दिल ने
मसीहा तुमको कोई भूल जाए हो नहीं सकता

और आख़िर में एक कलाम जिस की वज्द–आफ़रीनी बे पनाह है मुलाहेज़ा फ़रमाएं ......

है। उसकी दीद और उसके लुत्फ़ व इनायात से सरशार होने के बाद बचता ही क्या है और बे वक़्अती दुनिया का ज़िक्र उन्होंने जिस तसव्वुफ़ाना अन्दाज़ में किया है वह तो हर इन्सान को इस तरह अपना असीर बनाता है जिसका बयान किया जाना मुम्किन ही नहीं । सिर्फ़ शेरी उसलूब में ये इज़हार फ़िक्र व फ़न ही नही है बल्कि पूरी दुनिया के लोगों के लिये ये एक पैग़ाम भी है कि ऐ लागो! तुम दुनिया की जिन रंगीनियों पे फ़रेफ़्ता हो अगर तुम्हें रब तबारक व तआला का तकर्रुब हासिल हो जाए, तुम रब तआला के जलवे को देख लो तो दुनिया की सारी चीज़ें तुम्हें हेचतरीन लगने लगेंगी, उसको देख लेने के बाद सब कुछ भूल जाना यक़ीनी है, अन्दाज़े बयाँ मुलाहेज़ा फ़रमाएं

ये दुनिया मेरे काम की अब नही है
मुझे याद कुछ भी नहीं रह गई है
वही का जो देखे तो सब भूल जाला

और आख़िर का बन्द तो निहायत ही दिल गुदाज़ है .....

हमें अब तो है मैकदे ही में जीना
हमें भा गया है ये जीना ये पीना
अब हम न चाही ई मस्जिद शिवाला

इसमें उन्होंने जहाँ अपना नज़रया–ए–तसव्वुफ़ बयाान किया है वहीं उसका लेसानी पहलू भी बहुत ख़ूब है उन्होंने जो ज़बान इस्तेमाल की है वह बिल्कुल सादः , सलीस और आसान उर्दू ज़बान है और हर कस–व–नाकस की समझ में आ जाती है। चूँकि हज़रत शाह साहब ने शायरी को अवाम व ख़्वास तक अपना पैग़ाम पहुँचाने का ज़सिया बनाया था इसलिये इसमें उन्होंने इलाक़ाई ज़बान बशक्ल हिन्दी बहुत ज़्यादा इस्तेमाल की है जिससे अश्आर की अज़मत में चार चाँद लग गए हैं ।

हज़रत शाह साहब को ज़बान व बयान पर जो अुबूर हासिल था वह बे पायाँ था। मुश्किल से मुश्किल बात को वह बहुत ही आसान पैराए में बयान करने पर क़ुदरत रखते थे। उनका यह कलाम भी देखें बिल्कुल तसव्वुफ़ में डूबा हुआ। जिसे सिर्फ़ एक बार पढ़कर नहीं समझा जा सकता है मगर दो चार बार पढ़ने के बाद दिल में जो कैफ़ियत पैदा होती है उसके बाद जी यही चाहता है कि यह हमेशा विर्दे ज़बाँ रहे .....

रौनक़ सारी जान व जिगर में यार के पाक क़दम से है
दम हमदम से जोड़ के रखना यह दम उनके दम से है

रूए सनम ही रूए ख़ुदा है उसकी दीद ख़ुदा की दीद
जिसने भी देखा है उसको दूर वह रन्ज व ग़म से है

मैं सदक़े उस चाँद के जिससे रौशन मेरी बज़्में हयात
देख के ऐसा लगता है ये टुकड़ा बाग़े इरम से है

ख़्वाजा बन्दा नवाज़ गेसूदराज़, ग़ालिब, इक़बाल, ख़्वाजा मीर दर्द, अमीर मीनाई और असग़र गोडंवी वग़ैरह ।

जब हम हज़रत शाह साहब की शायरी या उनके दीवान पर एक नज़र डालते हैं तो हमें उनका पूरा दीवान तसव्वुफ़ व माअरफ़त पर मबनी नज़र आता है। उनके पूरे कलाम का जाएज़ा इस मुख़्तसर से मज़मून में लिया जाना मुमकिन नहीं मगर अपनी बिसात भर कोशिश करता हूँ कि उनके कलाम के मुहासिन (ख़ूबी) को बयान करके उनके अक़ीदत केशों में शामिल हो जाऊँ। हज़रत शाह साहब के दर्ज ज़ैल अश्आर में तसव्वुफ़ की जो ख़ुशबू रची–बसी है वह हमें बराहे रास्त रब तबारक तआला की बारगाह तक ले जाती है हम जितनी बार इन अश्आर को पढ़ते हैं हर बार सुरूरे दो बाला से महज़ूज़ होते हैं ......

सुरतया सनम की बड़ी रस भरी है
वह ज़ुल्फ़ें हैं ऐसी कि जैसे परी है
जो देखे कहे उनके मन में बसा ला

शराबी बना दें वह नज़रें हैं उनकी
मिलती है पीने को उनके करम की
हम नाहीं जानी प्याली प्याला

ये दुनिया मेरे काम की अब नही है
मुझे याद कुछ भी नहीं रह गयी है
वही का जो देखे तो सब भूल जाला

उसके करम का बयाँ किस तरह हो
उसे क्या है मुश्किल वह चाहे करे जो
वह ठोकर जो मारे तो दिल जाग जाला

हमें अब तो है मैकदे में ही जीना
हमें भा गया है ये जीना ये पीना
अब हम न चाही ई मस्जिद शिवाला

इस पूरे कलाम की एक और भी ख़ूबी है वह ये कि इसके पढ़ते वक़्त हमारे दिल व दिमाग़ पर रब तबारक तआला की ज़ात बा बरकात की मुख़तलिफ़ जिहतें उभर कर हमारे सामने आती हैं, जैसे वह कभी उसकी सूरत दिलरुबा का ज़िक्र करते हैं (जब कि वह जिस्म व जिस्मानियत से पाक है) इससे उनकी मुराद वह सूरत जो उसकी शायान शान है और कभी उसकी नज़रों का ज़िक्र करते है (यानी उसके अल्ताफ़ व इनायात) जिससे सरशार होने के बाद आदमी बेसाख़्ता अपने आपको रब तबारक तआला का ममनून करम महसूस करने लगता

इस मज़मून के लिखने का शर्फ़ अता किया वरना मैं इस लाएक़ नहीं कि उन जैसी अज़ीम हस्ती पर क़लम उठा सकूँ। उनकी शायरी या अफ़कार व ख़्यालात पर लिखना सूरज को चराग़ दिखाने के मुत्रादिफ़ है ।

इस मुक़दमे का पहला पैराग्राफ़ उनकी शख़्सियत का एक ऐसा नक़्श बनाता है जो मजमूऐ कलाम के मुताअले के दौरान हावी रहता है और वही चीज़ इन्सान के ज़हन व दिमाग़ पर हावी भी रहती है जो हक़ीक़त पर मबनी हुआ करती है , वह फ़रमाते है ।

'' सूफ़ी शाह मन्जूर आलम साहब जिनको इनके इरादतमन्द हज़रात ' हुजूर साहब ' के नाम से जानते हैं। एक इन्सान दोस्त बुर्जुग ही नहीं बल्कि इन्सानियत की क़दरों के अमीन भी है। इनकी गोशा नशीनी की वजह से लोग उनकी ज़ाती ज़िन्दगी के बारे में कम–कम जानते हैं। मेरी ज़ाती मालूमात के मुताबिक़ वह ज़िला ग़ाज़ीपुर के आला ज़मीदार घराने से ताअल्लुक़ रखते हैं। मैंने एक बार इनकी ज़ाती ज़िन्दगी में झाकने की कोशिश की लेकिन शाह साहब ने मुझसे फ़रमाया कि '' अब जब मैने खुदा और उसकी रज़ा की बन्दगी अख़्तियार कर ली है तो मेरा अलग से कोई तशख़्ख़ुस नहीं रह गया। इसलिये इस बारे में कोई ज़िक्र करना मुनासिब नही है। बस इतना समझ लीजिये कि मैं भी खुदाए वाहिद का एक अदना बन्दा हूँ और उसकी रज़ा और इन्सानियत की आला क़दरों की बक़ा ही मेरा सब कुछ है। अब मैं उसी से मनसूब हूँ बस ये समझो कि मैं एक बन्दए हक़ीर व बे वक़अत फ़क़ीर हूँ जो खुदा की रज़ामन्दी और उसकी याद मे रात–दिन लगा रहता हूँ और अपने मुताअल्लक़ीन को इन्सानियत की राह दिखाने की कोशिश करता रहता हूँ। ''——— (6)

हज़रत शाह साहब के मज़कूरह अक़वाल तसव्वुफ़ का ऐसा गुलदस्ता हैं जिसकी खुशबू सिर्फ़ मशामे जाँ को मोअत्तर ही नहीं करती बल्कि बेखुदी तक ले जाती है। इनकी माअनवियत का ये आलम है कि जितना ही ग़ौर ख़ौज़ कीजिये रब तआला की मोहब्बत और इन्सानी रिफ़अतें हर लहज़ा बढ़ती ही जाती हैं।

हज़रत शाह साहब ने अपने आपको रब तआला की ज़ात में फ़ना कर दिया था। उनका सब कुछ अल्लाह तआला ही के लिये था उन्होंने अपनी शिनाख़्त उसकी ज़ात अज़ीम के हवाले कर दी थी जिसका नतीजा यह हुआ कि आज वह महबूब ख़लाएक़ के मर्तबे पर फ़ाएज़ हैं। मख़लूक़े खुदा का एक बहुत बड़ा तबक़ा उनका जाँ निसार व शैदाई है। ख़ल्क़े खुदा जितनी उनसे मोहब्बत करती है उससे कहीं ज़्यादा उनको रब तआला के उन बन्दों से मोहब्बत थी और ये मोहब्बत तरफ़ैन से थी । खुदाए बुज़ुर्ग व बरतर तरफ़ैन की इस मोहब्बत को सलामत रखे ।

जब हम तसव्वफ़ के रिश्ते को शायरी में तलाश करते हैं तो हमें अरबी , फ़ारसी शायरी में इसका बहुत बड़ा ज़ख़ीरा दिखाई देता है। मैं अरबी शायरी के बारे में तो वसूक़ से नहीं कह सकता कि इसका पूरा सरमाया तसव्वुफ़ पर मबनी है मगर फ़ारसी शायरी खुसूसन क़दीम फ़ारसी शायरी के बारे में वसूक़ से कह सकता हूँ कि इसका पूरा सरमाया तसव्वुफ़ पर ही मबनी है। रही बात उर्दू शायरी की तो इसकी विलादत ही तसव्वुफ़ की गोद में हुई है। उर्दू शायरी में सूफ़ी शोअरा की एक तवील फ़ेहरिस्त है जैसे मुल्ला दाऊद डलमई, हज़रत अमीर खुसरु,

फ़िरक़ए बातिनः के अक़ाएद का तमाम मदार इमामे वक़्त की तक़लीद पर है लेकिन इमाम की हक़ीक़त की निस्बत क्यूँकर यक़ीन किया जा सकता है। अब सिर्फ़ तसव्वुफ़ बाक़ी रह गया।

सबसे आख़िर में मैंने तसव्वुफ़ की तरफ़ तवज्जह की। इस फ़न में हज़रत जुनैद, शिब्ली , बायज़ीद बुस्तामी के जो मल्फ़ूज़ात हैं उनको देखा , अबू तालिब मक्की की '' कुव्वतुल कुलूब '' और हारिस मोहासबी की तसनीफ़ात पढ़ीं। लेकिन चूँकि ये फ़न दरअस्ल अम्ली फ़न है इसलिये सिर्फ़ इल्म से कुछ नतीजा हासिल नही हो सकता था , और अमल के लिये ज़रूरी था कि ज़ोहद व रियाज़त इख़्तियार की जाए उधर अपने इश्ग़ाल को देखा तो कोई ख़ुलूस पर मबनी न था, दर्स व तदरीस की तरफ़ तबीअत का मैलान इस वजह से था कि वह जाहपरस्ती और शोहरते आम्माः का ज़रिया था। इन वाक़िआत ने दिल में तशवीक़ पैदा की कि बग़दाद से निकल कर खड़ा हूँ और तमाम ताल्लुक़ात को छोड़ दूँ। ये ख़्याल रजब 488 हिजरी में पैदा हुआ लेकिन छ; महीने तक लेत व लाल (सोच विचार) में गुज़रे। नफ़्स किसी तरह गवारा नहीं करता था कि ऐसी बड़ी अज़मत व जाह से दस्त बरदार हो जाए । इन तरद्दुदात में नौबत यहाँ तक पहुँची कि ज़बान रुक गई । दर्स व तदरीस का सिलसिला बन्द हो गया । रफ़्ता–रफ़्ता हज़्म की कुव्वत जाती रही। आख़िर तबीबों ने इलाज से हाथ उठा लिया , और कह दिया कि इस हालत में इलाज सूदमन्द नहीं हो सकता। बिलआख़िर मैंने सफ़र का इरादा कर लिया , उल्मा और अरकाने सल्तनत को जब ये ख़बर हुई तो सबने निहायत इल्हाह के साथ रोका और हसरत से कहा कि ये इस्लाम की बद क़िस्मती है। ऐसी नफ़अ रसानी से आपका दस्त बरदार होना शरअन क्यूँकर जाएज़ हो सकता है। तमाम उल्मा व फ़ुज़ला यही कहते थे लेकिन मैं अस्ल हक़ीक़त को समझता था इसलिये आख़िर सबको छोड़–छाड़ कर दफ़अतन उठ खड़ा हुआ और शाम की राह ली।'' –––(5)

मैं ममनूने करम हूँ मोहतरम जनाब फ़ारूक़ अहमद जायसी साहब का कि उन्होंने मुझे हज़रत सूफ़ी शाह मन्ज़ूर आलम साहब का मजमूए कलाम '' गूलर के फूल '' को फ़राहम कराया और उन्होंने इसके तारुफ़ के तौर पर जो कलमात फ़रमाए उसको सुनने के बाद मुझे उसके मुताअले का शदीद शौक़ हुआ और जब मैंने इसका मुताअला किया तो इसको इससे सिवा पाया जो उन्होने फ़रमाया था ।

मोहतरम फ़ारुक़ अहमद जायसी साहब ने इस पर जो मुक़दमा लिखा है सच्चाई यह है कि इस मुक़दमे के पढ़ने के बाद शाह साहब की शख़्सियत पर मज़ीद कुछ लिखने के लिये बचता ही नहीं मगर अक़ीदतों का क्या कीजिये उनकी अपनी एक अलग दुनिया और तलब होती है और कभी–कभी तो वह इस क़दर बेबस कर देती हैं कि आदमी उस कैफ़ियत में पहुँच जाता है कि ऐन

'' करिशमा दामने दिल मी कश्द जा ई जा अस्त ''

कुछ मेरे साथ भी ऐस ही हुआ मेरी इस तहरीर को हज़रत शाह साहब के हुज़ूर अक़ीदतों का ख़िराजे तहसीन ही समझा जाए और उनका रूहानी तसरुफ़ कि उन्होंने मुझ जैसे हेच–मंदाँ को

अपने बन्दों पर रवा रखता है और जिस हुब्बे ज़ात यानी ख़ालिस हुब्बे इलाही का ज़िक्र किया है इससे मुराद है दीदारे इलाही और जमाल ख़ुदावन्दी की मोहब्बत का नज़ारा उनके दिल की आँखों ने किया और यही मोहब्बत सबसे बेहतर और बरतर है। जमाले रबूबियत की लज़्जत बजाए ख़ुद सब से बड़ी चीज़ है।" अपने इस बयान में ग़ज़ाली ने जिन अश्आर का ज़िक्र किया है वह यह हैं.....

मैं तुझसे मोहब्बत करती हूँ। दो तरह की मोहब्बत
एक मोहब्बत है आरज़ू और तमन्ना की
और दूसरी है सिर्फ़ तेरी ज़ात की।
मेरी वह मोहब्बत जो आरज़ू और तमन्ना से मामूर है
वह तो कोई अहमियत नहीं रखती
लेकिन वह मोहब्बत जो सिर्फ़ तेरी ज़ात से है तुझे उसी का वास्ता है
हिजाब को दूर कर दे ताकि आँखें तेरा जलवा देख सकें ।"(4)

मैं चाहता हूँ कि हज़रत इमाम ग़ज़ाली रहमतुल्लाह अलैह की ज़िन्दगी के वह ताबिन्दा नक़ूश पेश कर दूँ जिससे कि उनकी ज़िन्दगी में इन्क़लाब आया। वह तमाम उम्र इल्मे मनतिक़ व फ़लसफ़ा का दर्स देते रहे उनका शुमार अपने अहद के उन उल्मा में होता था जिनका एहतराम ख़ुद शाहाने ज़माना किया करते थे। इतना बड़ा जाह व मर्तबा हासिल होने के बावजूद उनकी रूह तश्नगी महसूस करती रही आख़िरकार उन्होंने तमाम दुनियावी कर्रो फ़र को तर्क करके तसव्वुफ़ की राह इख़्तियार करने का अज़्म कर लिया और जब उन्होने राहे तसव्वुफ़ व सलूक इख़्तियार की तब उनकी रूह को चैन मयस्सर हुआ। जनाब सय्यद हुसैन नस्र हज़रत इमाम ग़ज़ाली रहमतुल्लाह अलैह के तसव्वुफ़ से वाबस्ता होने (यानी उनकी आप बीती) बयान फ़रमाते हुए तहरीर करते हैं ।

" अब मैने ग़ौर करना शुरु किया कि इस क़िस्म का यक़ीनी इल्म मुझको किस हद तक है मालूम हुआ कि सिर्फ़ हिसिय्यात और बदिहियात तक है। लेकिन जब कद्द व काविश ज़्यादा बढ़ी तो हिसिय्यात में भी शक होने लगा यहाँ तक कि किसी अम्र की निस्बत यक़ीन नहीं रहा। क़रीबन दो महीने तक यही हालत रही। फिर ख़ुदा के फ़ज़्ल से यह हालत तो जाती रही लेकिन मुख़्तलिफ़ मज़ाहिब के निस्बत जो शकूक थे बाक़ी रहे। उस वक़्त जिस क़दर फिरक़े मौजूद थे चार थे। मुताकल्लेमीन, बातनिया, फ़्लासफ़िया और सूफ़िया। मैंने हर एक फ़िरक़ा के उलूम व अक़ाएद की तहक़ीक़ात शुरु की। इल्मे कलाम के मुताअल्लिक़ जिस क़दर क़ुदमा की तसानीफ़ थीं सब पढ़ीं। लेकिन वह मेरी तसल्ली के लिये काफ़ी न थीं क्यूँ कि उनका जिन मुक़द्दमात से इस्तेदलाल होना है उनकी बिना तक़लीद है या इजमाअ या क़ुरआन व हदीस के नुसूस और ये चीज़ें उस शख़्स के मुक़ाबले में बतौर हुज्जत पेश नहीं की जा सकतीं जो बदिहियात के सिवा किसी और चीज़ का क़ाएल न हो ।

फ़लास्फ़ा का जिस क़दर हिस्सा यक़ीनी है यानी रियाज़ियात वग़ैरह इसको मज़हब से कोई ताल्लुक़ नहीं। और जो हिस्सा मज़हब से ताल्लुक़ रखता है यानी इलाहियात वह यक़ीनी नहीं।

उलकिताबी फ़रमा रहे थे ! तसव्वुफ़ नाम ही इख़लाक़ का है लिहाज़ा जो शख़्स इख़लाक़ में बुलन्द होगा वह तसव्वुफ़ में भी तुमसे बुलन्द होगा। "———(1)

ये हक़ीक़त अज़हर–मिन–श्शम्स है कि इख़लाक़ी क़दरों का निज़ाम या राहे तसव्वुफ इस काएनात में ऐसा निज़ाम है जिससे बेहतर इन्सानी फ़लाह व बहबूद के लिये और कोई निज़ाम नहीं। लेकिन ये रास्ता इतना आसान भी नहीं कि चश्मे ज़दन में इसे सर कर लिया जाए। ये इतना मुश्किल है कि इसका अन्दाज़ा सिर्फ़ और सिर्फ़ उसी को हो सकता है जो इस रास्ते का मुसाफ़िर है। इस रास्ते की दुश्वारी का आलम ये है कि इन्सान को इख़लाक़ी क़दरों की सरबुलन्दी के लिये क़दम क़दम पर अपनी ही ज़ात की कड़ी मुख़ाल्फ़त या सूफ़ियों की इस्तेलाह में ' अपनी ज़ात की नफ़ी ' करनी पड़ती है और इस मुख़ाल्फ़त का आलम ये होता है कि अगर ज़रा भी मुख़ाल्फ़त में कमज़ोर पड़ा तो फ़ौरन ही उसका नफ़्स उस पर ग़ालिब आ जाता है जिसका नतीजा ये होता है कि उसके क़दम उस राह से डगमगाने लगते हैं । लेकिन अगर अपने नफ़्स की मुख़ालफ़त पर सख़्ती से कारबन्द रहता है तो उसकी रूह को वह निशात आगईं सुरूर हासिल होता है कि उसका भी अन्दाज़ा लगा पाना मुश्किल है। अगर लगाया जा सकता है तो सिर्फ़ उस पर अमल करके बक़ौल अल्लामा इक़बाल———

" तसव्वुफ़ कहने की नहीं करने की चीज़ है " (2)

मैं यहाँ पर अपने मौक़फ़ या मौज़ूअ की वज़ाहत के लिसे हज़रत इब्राहीम बिन अदहम रहमतुल्लाह अलैह का एक क़ौल नक़ल करना चाहता हूँ जिससे कि मौज़ूअ रोज़े रौशन की तरह अयाँ हो जाए ।" किसी ने हज़रत इब्राहीम बिन अदहम से पूछा क्या तू दुनिया में कभी ख़ुश हुआ है ? जवाब दिया हाँ। दो बार ! एक दिन मैं बैठा हुआ था कि एक इन्सान ने आकर मुझ पर पेशाब कर दिया और दूसरी बार इस तरह कि मैं बैठा हुआ था कि एक इन्सान ने आकर मुझे थप्पड़ मारा ।" (3) आप एक लम्हे के लिये सोचने पर मजबूर हो गए होंगे कि ये फ़लसफ़ा तो ज़िन्दगी के तमाम फ़लसफ़ों से मावरा है। ये कौन सा फ़लसफ़–ए–हयात है कि उसे थप्पड़ मारा जाए और वह उस पर ख़ुश हो या उस पर पेशाब किया जाए और वह ख़ुश हो । यह अफ़आल तो सीधे जंग व जिदाल की तरफ़ ले जाते हैं। मगर किसी ने इसकी क्या ही सच्ची तस्वीर कशी की है....

उल्टी ही चाल चलते हैं दीवान गाने इश्क़
आँखों को बन्द करते हैं दीदार के लिये

ख़ुदा रसीदः लोगों को ऐसे ही अफ़आल से ख़ुशी हासिल होती है। यही राहे तसव्वुफ़ व सलूक है इस रास्ते के इख़्तियार करने के बाद धरती पर बिराजमान बुराइयों का क़िला क़मअ हो जाता है और ये धरती जन्नत बन जाती है।

तसव्वुफ़ की यह रवायत नई नहीं बल्कि बहुत पुरानी है, सदियों से चली आ रही है। तमाम अह–लुल्लाह ने इसी रास्ते पर चल कर रब को पाया है । डाक्टर वहीद अख़्तर अपने एक तहक़ीक़ी मक़ला " शायरी में तसव्वुफ़ की रवायत" में तहरीर फ़रमाते हैं ।

" इमाम ग़ज़ाली का क़ौल है। " राबिया अदविया ने अपने अश्आर में ग़रज़ और आरज़ू की जिस मोहब्बत का ज़िक्र किया है , उससे मुराद है अल्लाह का एहसान और इनआम , वह जो

ज़िन्दगी के एहवाल व आसार से यही मालूम होता है कि उनका पैग़ाम '' पैग़ामे मोहब्बत '' था जो किसी एक तबक़े के लिये महदूद नहीं था बल्कि पूरी दुनिया के लोगों के लिये था। उनके यहाँ कोई अपना, पराया नहीं होता था जो भी उनकी चौखट पर आ गया वही उनका अपना है। वह हर आने वाले को अपनाईयत की निगाह से देखते हैं जिसका ये असर होता है कि वह उन्ही का हो कर रह जाता है। आप किसी भी सूफ़ी की सीरत, उनके अहवाल वा आसार का मुताअला करें तो उनके यहाँ सिर्फ़ एहतरामे इन्सानियत, एक दूसरे से मोहब्बत करना और ख़ुदा की सच्ची माअरफ़त ही पाएंगे। आप उनके किरदार व अमल से ये साबित नहीं कर सकते कि उन्होंने कभी किसी आने वाले को दोई की निगाह से देखा हो हत्ता (यहाँ तक) कि उन्होंने अपने दरे दौलत पे आने वाले किसी भी शख़्स को कभी भी कल्मे की तलक़ीन नहीं की बल्कि उनकी चौखट पे आने वाला ख़ुद ही उनके शमाइल व ख़साएल (तौर तरीकों) से मुतास्सिर हो कर हल्क़ः बगोश इस्लाम होने की पेशकश करता था। जो ईमान की दौलत से मुशर्रफ़ नहीं हो सका वह भी तादमे ज़ीस्त (ज़िंदगी भर) उनका ही असीर रहा।

मशहूर सूफ़ी शायर हज़रत शेख़ सादी रहमतुल्लाह अलैह से हम में से कौन वाक़िफ़ नहीं। तसव्वुफ़ और फ़ारसी अदब की तारीख़ उनके तज़किरे के बग़ैर मुकम्मल ही नहीं हो सकती। उन्होंने तसव्वुफ़ में इन्सानियत का एक ऐसा नज़रया पेश किया है जिससे किसी को मजाले इन्कार नहीं। वह पूरी दुनिया के इन्सानों को एक दूसरे का जुज़ क़रार देते हैं और इसकी वजह यह बताते हैं कि सब (यक जौहर) यानी एक ही माँ बाप हज़रत आदम व हव्वा अलैहिस्सलाम से पैदा हुए।

बनी आदाम अज़ाए यक दीगर अन्द
कि दर आफ़रीन्श बा यक जौहर अन्द

मेरी फ़हम व फ़िरासत में इन्सान अज़रुए तख़लीक़ ख़ैर व शर का मजमुआ है। अल्लाह जल्लह मजदहु ने हर आदमी के अन्दर ख़ैर व शर दोनो माद्दे वदीअत फ़रमा रखे हैं। अब उसकी ताअलीम व तरबियत जिस नौइय्यत की होगी वही उन्सुर उसकी तबियत पर ग़ालिब आएगा और वह वैसा ही इन्सान बनेगा। इसकी मिसाल लोहे की सी है कि जिस तरह लोहे के अन्दर कुदरत ने तलवार और ढ़ाल दोनों बनने की सलाहियत रखी है, बनाने वाले पर मौकूफ़ है वह जो चाहे बनाए चाहे तलवार बनाए या ढ़ाल। बिल्कुल इसी तरह अल्लाह तआला ने तख़लीक़ी एतबार से इन्सान में भी इन्सान सालेह और इन्सान बद बनने की सलाहियत रखी है। अगर इसकी बेहतरीन ताअलीम व तरबियत किसी मर्दे हक़ आगाह के हाथों होगी तो दर्दमन्द इन्सान बन कर लोगों की इज़्ज़त व तौक़ीर करने वाला इन्सान बन जाता है। लोगों से मोहब्बत करता है जिसे देखकर मुआशरे के लोगों की रूह ख़ुश होती है और अगर उसको ऊबाश लोगों की संगत मिल गई तो वह दुनिया का बदतरीन इन्सान बन जाता है जिसकी शिनाख़्त एक ज़ालिम व जाबिर इन्सान के रूप में होती है , जिसे देख कर लोगों की रूह काँप जाती है और लोग उससे नफ़रत करते हैं हत्ता कि उसके साए से भी ख़ौफ़ खाते हैं।

'' रिसाला–ए–क़शीरया '' में है कि हज़रत जाफ़र बिन का अहमद बिन जाफ़र से सन्ना

" गूलर के फूल " में तसव्वुफ़ और इख़लाक़ी क़दरों की नमूद

डाक्टर सिराज अहमद क़ादरी

इख़लाक़ वह सिफ़त लतीफ़ है जो रब तबारक–व–ताअला की माअरफ़त और बनी नौअ इन्साँ को लुत्फ़ व हिलम का पैकर बनाती है। लेकिन जब यह सिफ़ते लतीफ़ एक बनदा–ए–मोमिन का वस्फ़ बनती है तो उसको अफ़ज़ल व अकमल मोमिन और इन्सान कामिल होने का जाह व शर्फ़ अता करती है नीज़ जब यह सिफ़त दीगर मज़ाहिब के लोगों में पैदा होती है तो इस ख़ाकदान गीती पर बसने वाले लोगों को ईश्वर का ज्ञान और ध्यान के साथ मानवता और करुणा का पाठ पढ़ाती है ।

इस्लाम की बुनयादी तालीम के पेशे नज़र एक सालेह और पाकीज़ा मुआशरे के लिये इख़लाक़ को असासियत का दर्जा हासिल है। इख़लाक़ की तालीम के बग़ैर एक सालेह मआशरह तशकील ही नहीं पा सकता। इख़लाक़ वह अमल है जब यह लोगों के अन्दर जलवा फ़रमा होता है तो लोग एक दूसरे से टूट कर मोहब्बत करने लगते हैं। उनकी यह मोहब्बत किसी ग़रज़–व–ग़ायत के सबब नहीं बल्कि लेवजहिल्लाह हुआ करती है। ऐसे ही मुआशरे की तशकील व तकमील के लिये अंम्बिया–ए–कराम, रसूलाने अज़ाम नीज़ इन के नक़्शे क़दम पर ज़िन्दगी गुज़ारने वाले उनके महबूबीन और ख़ुदा रसीदह अफ़राद इस दुनिया में तशरीफ़ लाते रहे और अपनी पाकीज़ा ताअलीमात से इस धरती को जन्नत निशाँ बनाते रहे।

जब लोग इन्सानियत नवाज़ और एक दूसरे के क़दरदाँ बन जाते हैं तो इसका रद्देअमल ये होता है कि इससे भाई–चारा और उख़ुवत व हमदर्दी का फ़रोग़ होता है और धरती अमन व शांती का गहवारा बन जाती है जिसका नतीजा यह होता है कि हर तरफ़ सुख चैन का बोल बाला होता है।

इख़लाक़ मज़ाहिबे आलम की किताब का वह वाहिद बाब है जो क़दरे मुशतरिक का दर्जा रखता है। इसमें ग़ैरियत के सारे पर्दे उठ जाते हैं और नक़्शे दोई मिट जाता है। लोग अपने आपको एक दूसरे के बहुत क़रीब महसूस करने लगते हैं। किसी भी अच्छी क़ौम की शिनाख़्त उसके इख़लाक़ व किरदार व मुआशरती तहज़ीब व तमद्दुन से होती है। जहाँ कहीं लोग आपस में मिल जुल कर उख़वत व मोहब्बत के साथ ज़िन्दगी गुज़ार रहे हों तो यही समझ में आता है कि इनकी इख़लाक़ी ताअलीम बहुत उम्दा हुई है। अगर किसी मुआशरे में आपस में इन्तेशार व इफ़्तिराक़, जंग–ओ–जिदाल दिखाई देता है तो यही समझ में आता है कि इख़लाक़ी ताअलीम नहीं हो सकी या उनकी इख़लाक़ी ताअलीम हुई है तो बहुत कमज़ोर हुई है।

जब हम सूफ़िया–ए–कराम की ज़िन्दगी का बग़ौर मुताअला करते हैं तो हमें उनकी

ओ तकब्बुर से दूर हैं । नरम ज़बान और शीरीनी रखने वाला लहजा मन को मोह लेता है और आदमी एक दफ़ा मिलने के बाद उनसे बार बार मिलने की ख़्वाहिश रखता है। भरा हुआ चेहरा कभी उजला रहा होगा अब ज़माने की धूप सहते सहते संवला गया है। लेकिन बातिन का हुस्न चेहरे को जाज़िब निगाह बनाए हुए रखता है , नाक ऊपर से पतली नीचे की तरफ़ फैल गई है लेकिन भ्द्दी नहीं लगती है , पेशानी चौड़ी और ऊंची, सर पर बाल घने, आंखें चमकती हुई, कुदरत का कोई शाहकार होने की गवाही देती है ।''

हिन्दुस्तान में बारहवीं सदी में तसव्वुफ़ और भक्ति के इत्तेसाल और इम्तेज़ाज़ से सुलहकुल भाई चारा , वसीउलमशरबी , इन्सान दोस्ती और एहतरामे आदमियत के जिस तसव्वुर और जिस नस्बुलआइन को प्रचार और फ़रोग़ मिला वो आलाख़ुसूस हिन्दोस्तानी बिरादरी के वास्ते निशाने राह है। शाह साहब सरापा फ़ानूस बनकर इसी ताबिन्द्रा रवायत की पासदारी कर रहे हैं। मौजूदा अहद के सूफ़िया–ए–कराम में यही उनका तुर्रए इम्तियाज़ है ।

आं कस कि बिदानद वले दानद की नदानद
ऊ मंज़िल ख़ुद ब रस अफ़लाक रसानद

(जो सब कुछ जानता है लेकिन समझता है कि कुछ नहीं जानता या कुछ जानने का दावा नहीं करता वही अपनी मंज़िल को आसमनों की बलन्दी तक ले जाता है) ।

(पेज न0 38 का शेष भाग)

इन कांटों से बचना

गर्द उड़ी तो आँख़ पड़ेगी
सोच विचार के चलना

ज्ञान बिना सब सूना सूना
आँख मूँद मत चरना

साथ अगर वह हैं तो सब कुछ
जीना हो या मरना

पार नहीं बिन कृपा पाये
सद गुरू नाम सुमिरना

यार सलामत , सोहबत बाक़ी ।

राज़ होने का ग़म्माज़ था । शाह साहब ने तबाज़ाद कलाम और मसनवी मौलाना रूम की तफ़सीर ओ ताबीर की तरवेज ओ अशाअत के वास्ते अवामी राबिते की देवनागरी रस्मुल्ख़त का इन्तख़ाब किया है क्योंकि अपने मतमहे नज़र और नसबुलऐन को घर घर पहुंचाने में रायजुलवक़्त रस्मेख़त ही मोअस्सर साबित होता है। अलबत्ता ये अम्र मल्हूज़ ख़ातिर रहे कि मसनवी की तशरीह हो या शायरी, इन्शापरदाज़ी हो या नक़्द ओ नज़र शाह साहब की ज़बान और लब ओ लहजा मिनहैसुलमजमूअ उर्दू ही है। मौलाना जलालुद्दीन रूमी की शोहराआफ़ाक़ मसनवी के तर्जुमा ओ तफ़सीर पर मुश्तमिल अब तक आपकी पांच अदद ज़ख़ीम (मोटी) जिल्दें देवनागरी में इशाअत पज़ीर हो चुकी हैं। उनके मुताला में मेरी दिलचस्पी को भांपकर मौसूफ़ ने तमाम जिल्दें मेरी नज़्र कीं और उनसे कस्बे फ़ैज़ करने का मौक़ा इनायत किया। मौसूफ़ बिला शुबहा मसनवी मौलाना रूम के आरिफ़ , रम्ज़शनास और जय्यद आलिम हैं। मौलाना रूम की शायरी में सरमस्ती और रूहानी कैफ़ियत को दीगर ज़बान के पैराए में फ़ितरी अन्दाज़ में ढ़ालना , ख़ुद इस सरख़ुशी और सरशारी में डूबना है और ये ख़ूबी रूहानी वारदात के गुज़रने पर ही पैदा होती है। शाह साहब ने इसके फ़ैज़ान को आम करने की ग़रज़ से ही मसनवी मौलाना रूम की तफ़सीर ओ ताबीर की दाग़ बेल (बुनियाद) डाली है , जिसके समरात से हर ख़ास ओ आम फ़ैज़याब हो रहा है। ख़ानक़ाह में तहरीर ओ तक़रीर के ज़रिए मोअस्सर और सहल अन्दाज़ में मसनवी ज़ेरीं हक़ायक़ तक रसाई कराई जाती है। ये मसनवी एक आरिफ़ बिल्लाह और फ़ानी फ़िल्लाह का कलाम है। उसकी तफ़हीम (समीक्षा) का हक़ वही अदा कर सकता है जिसकी ज़ात मज़कूरा सिफ़ात से बदर्जा अतम मुत्तसिफ़ हो। शाह साहब ने अगर मसनवी मौलाना रूम को अज़ीज़ जाँ बनाया है तो बेशक उनको इसका हक़ है ।

मौलाना जलालुद्दीन रूमी की शायरी ज़मान ओ मकां से मावरा (असीमित) है। ये किसी ख़ास अहद या मकतबे फ़िक्र की शायरी नहीं है । आज के दौरे पुरआशोब में कि जब इन्सानी और इख़्लाक़ी इक़दार का ज़वाल नुक़्तए उरूज पर है , ज़रूरी है कि मौलाना रूमी की शायरी की तरवीजो इशाअत बड़े पैमाने पर हो ताकि सिसकती इन्सानियत को क़रार आए । मिर्ज़ा ग़ालिब का क़ौल है –

हुस्ने फ़रोग़े शमा सुख़न दूर है असद
पहले गुदाख़्ता पैदा करे कोई

लेकिन शाह साहब ने मश्क़ ओ मज़ाविलत से दिले गुदाख़्ता पैदा नहीं किया , ये ख़ूबी तो क़स्सामे अज़ल से उन्हें वदीअत हुई है । ख़लवत और जलवत में हमेशा निगाह नीची रखने वाले शाह साहब की तरफ़ से मुझे अन्देशा था कि अगर सरे राह उनका सामना हो गया तो अगलबन मुझे अजनबी जानकर गुज़र जाएंगे । मगर जब ख़ानक़ाह की ' वक़ीअ और मुअक़्क़िर ' मैगज़ीन ' रसखान ' के अक्टूबर 2005 के शुमारे में शाह साहब के रशहाते क़लम (गुलाम मुर्तज़ा राही – मेरी नज़र में) की मुन्दर्जा ज़ेल सतूर के आइने में मुझे अपनी सूरत दिखाई दी तो मैं आंजनाब की नीची निगाह की करिश्मा साज़ी पर हैरान रह गया –

" गुलाम मुर्तज़ा राही मुझे यूं पसन्द आए कि इन्सान परस्त हैं , इन्सानियत रखते , ग़रूर

जमालियात (हुस्न) आश्ना करती है। तख़्लीक़ी अमल में रूहानी जमालियात तक रसाई एक उम्र की रियाज़ते तज़किया नफ़्स से हासिल होती है। आप के कलाम में एक ऐसी नग़मगी, हुस्न और मौसीक़ियत है जिसको राहे इश्क़ के मुसाफ़िरों के वास्ते जरसे मंज़िल से ताबीर किया जा सकता है। आपके तबाज़ाद कलाम के पाँच अदद मजमुए " गूलर के फूल " के नाम से हिन्दी रस्मुल्ख़त में शाए (प्रकाशित) हो चुके हैं ।

उसके हाथ से जिसने पी वो घर नहीं लौटा
प्यास फिर नहीं बुझती बस यही क़यामत है

कुछ ख़ौफ़ नहीं रखते तूफ़ान डुबो देगा
हम जिसके हैं उसका यह धारा है किनारा है

हमारा काम है बाज़ार में खड़ा होना
गुलाम की कोई क़ीमत नहीं लगी न सही

हम भी देखेंगे यार वो जलवा
जिसके शब की सहर नहीं होती

मिट तो जाती है मगर मिटती नहीं
ऐसी हस्ती जो तेरी पहचान हो

तेरे करम का कहां तक कोई शुमार करे
वफ़ा की बात तो ये है कि जां निसार करे

फ़ख़्रे ज़िन्दगी अपना दाग़ है गुलामी का
उनके हाथ अपने को हमने बेच डाला है

आती हुई सद् रंग की बौछार मिलेगी
उस सहने चमन की तरफ़ ए यार चलो तो

डूबो जो उस नदी में क़दमों से जा लगोगे
दरिया से दूर रह कर किस को मिला किनारा

एक मर्तबा जब मैं ख़ानक़ाह पहुंचा तो शाह साहब मसनवी मौलाना रूम के तर्जुमा की तफ़्सीर का हिन्दी रस्मुलख़त में इमला (Dictation) करा रहे थे। इमला में मसनवी के असरारे मानी सफ़हे क़िरतास पर उभरते जाते थे। मौसूफ़ का ये इल्मो कमाल मआरिफ़े तसव्वुफ़ के महरमे

जिल्दों की पूरी क़ीमत मुझे अदा कर दी इस एआनत (मदद) बल्कि इनायत को बमुश्किल एक माह गुज़रा होगा कि मौसूफ़ ने 'सदाबहार ग़ज़ल' की मज़ीद बीस जिलदें तलब कर लीं। इस दफ़ा मैंने तकल्लुफ़न शाह साहब को मश्वरा दिया कि पूरी क़ीमत के बजाय फ़ी कापी अस्सी मुक़र्रर कर लें। शाह साहब के अन्दाज़े दिलनवाज़ी पर तहसीनो आफ़रीं (तारीफ़ के लायक़) है कि मोअय्याना क़ीमत को बलिहाज़ मवाद (Matter) पहले से ही कम क़रार दिया और पूरे दो हज़ार रुप्ए मुझे दिलवाए।

कानपुर के आला तालीम याफ़्ता शायर, नाक़िद (आलोचक), मुक़र्रिर और नाज़िमे मुशायरा डाक्टर सय्यद मेंहदी जाफ़री भी क़ाबिले रश्क इल्मी इस्तेदाद रखते हैं। ' सदाबहार ग़ज़ल ' का फ़्लैप जाफ़री का ही तहरीर करदा है। जाफ़री ने भी अपने रस्मो रुसूख़ से इस किताब की बीस बाइस जिल्दें यूनिवर्सिटी और कॉलेज की लाइब्रेरियों नेज़ हिन्दीदां अहबाब को पूरे दामों फ़रोख़्त करके अदब नवाज़ी का सबूत बहम पहुंचाया। हासिल कलाम ये है कि मैंने हवा का रुख़ बदलने का इन्तज़ार किया और जब ' सदाबहार ग़ज़ल ' की ख़ुशबू को राह मिली तो क़रीबो दूर फैलती चली गई । यू.पी. , बिहार , दिल्ली और राजस्थान के किताब मेलों (Book Fair) के अलावा हिन्दी के ताजिराने कुतब और अहबाब के ज़रिए भी ' सदाबहार ग़ज़ल ' की ख़ास तादाद में निकासी हुई हत्ता कि (यहाँ तक कि) इस किताब की इशाअत मुन्फ़िअत बख़्श ठहरी । इस तरह शाह मंज़ूर आलम मौजशाही के चराग़ से चराग़ जलते गए ।

इल्म ओ हुनर की रोशनी फेलती है इसी तरह
जलते हैं इक चराग़ से जैसे हज़ारहा चराग़
(राक़िम)

एक बार राक़िम बरोज़ जुमेरात क़रीब ग्यारह बजे ख़ानक़ाह पहंचा। देखा कि गेरुए कपड़ों में मलबूस एक मुग़न्निया (गायिका) हारमोनियम पर शाह साहब का सूफ़ियाना और हक़्क़ानी कलाम दिलावेज़ अदायगी के साथ गा रही थी , जहां वो ख़ुद माहिर हारमोनियम नवाज़ थी वहीं उसका ढ़ोलकिया भी अपने फ़न में उस्ताद था। मेरे पहुंचने पर मौसूफ़ ने मेरी पासे ख़ातिर के लिए समा में वक़्फ़ा करना चाहा मगर मैंने ये गोश गुज़ार करते हुए मना कर दिया कि अजदाद की तरह मैं भी संजीदा क़व्वाली का रसिया हूँ। मुग़न्निया ने महफ़िले समा में एक समां बांध रक्खा था। अक्सर मैंने जुमेरात की इस महफ़िल में शरीक होकर शाह साहब के कलाम बलाग़त निज़ाम और मुग़न्निया के दिलकश तर्ज़े अदायगी से ज़ौक़े लुत्फ़ हासिल किया है । समा के लम्हों में शाह साहब पर एक पुरअसरार सी सरशारी और वज्द की कैफ़ियत तारी रहती है। एक ऐसी महवियत एक ऐसी बेख़ुदी कि बज़बाने ग़ालिब –

हम वहाँ हैं जहां से हमको भी
कुछ हमारी ख़बर नहीं आती

बेशक शाह मन्ज़ूर आलम मौज शाही एक बाकमाल सूफ़ी मनिश हैं। मौसूफ़ तरीक़त के बहुत मुमताज़ मक़ाम पर फ़ायज़ हैं । आप मक़ामे फ़क्र ओ ग़ना (फ़क़ीरी और शाही) में मारिफ़त और रमूज़े हयात (ज़िन्दगी के भेद) के जूया (ढूंढ़ने वाले) हैं । आपकी शायरी हमें रूहानी

(रू ब रू) था , नर्म खुई और कस्र नफ़स जिसके पोर पोर में रची बसी हुई थी , ' ला कलाम ' के जितने भी चुनिंदा अशआर शाह साहब की नोके ज़बान पर आए सब के सब बर सग़ीर के अकाबिरीने अदब के नोके क़लम पर आ चुके थे , इस से मौसूफ़ के सही मानों में सुख़न फ़हम होने का सबूत मिला। ' ला कलाम ' के बाद सदाबहार ग़ज़ल (हिन्दी) के इब्तिदाई सफ़्हात उलटे , क़ीमत देखी और जेब से सौ रुप्ए का नोट निकालकर ख़न्दरुई के साथ मेरी तरफ़ बढ़ा दिया । तोहफ़े की क़ीमतो मोल करने से बार बार इन्कार करने पर भी मौसूफ़ राज़ी न हुए। उन्हीं लम्हों में उनका एक ख़ास अक़ीदतमंद मुझसे मुख़ातिब हुआ बोला कि हुज़ूर का ये इनाम ओ एज़ाज़ किसी नसीब वाले को ही अता होता है, इन्कार न कीजिए, लिहाज़ा मैंने न्यामते ग़ैर मुतरक़िबा (जिसका कोई बदल न हो) क़बूल कर लिया । कुछ देर बाद जब मैंने रुख़्सत चाही तो मेरे साथ शाह साहब भी खड़े हो गए । पीर मुर्शिद खड़े हुए तो अहले ख़ानक़ाह में किसकी मजाल थी जो बैठा रहता ये लम्हात मुझ हेचमन्दा के लिये वाक़ई बड़े सख़्त थे , सर बुलन्द होने के बजाय मैं शर्मसार हो रहा था। तख़्लीक़ार को नाचीज़ समझना आज के अना गुज़ीदा और आला मन्सबी असातीन अदब का वतीरा बन चुका है , मगर शाह साहब तो अपनी अना को फ़ना कर चुके हैं , उन्होंने फ़न और फ़नकार को एक नज़र से देखा जिस से मेरे अंदर ख़ुदएतमादी की नई कुव्वत पैदा हुई –

मेरी सिफ़ात का जब उसने एतराफ़ किया
बजाय चेहरे के आइना मैंने साफ़ किया
(राक़िम)

फ़तेहपुर वापस आने पर मेरी अहलिया ने सौ रुप्ए के उस नोट पर " शाह मन्ज़ूर आलम का अतिया " लिखकर मेरे पर्स के ऊपरी श्फ़्फ़ाफ़ ख़ाने की ज़ेब बना दिया ताकि उसके फ़यूज़ो बरकात से मेरा मनी बैग भरा पूरा रहे ।

मौसूफ़ की मुतानवओ और जामेउलसिफ़ात शख़्सियत की जज़्ब ओ कशिश ने बहुत जल्द मुझे एक बार फिर उनके दरबार मे पहुंचा दिया । मिन्नोअन (कुल का कुल) पहले जैसा सुलूक किया, हाज़िरीने ख़ानक़ाह से अलग अपने पास बैठाया । एक बार फिर मुन्कसिर मिज़ाज, हलीमुत्तबअ, आलिमाना और दुरवेशाना तशख़्ख़ुस की हामिल हस्ती से रू ब रू था। मैंने मुशाहिदा किया कि ख़ानक़ाह का रुख़ करने क़रीबोदूर से जूक दर जूक़ हाज़िर हो रहे हैं। मुझे बावर आया कि सूफ़िया–ए–कामिल शाह मन्ज़ूर आलम की शोहरत और हर दिल अज़ीज़ी चहार दंग है और बिला तफ़रीक़ मज़हबो मिल्लत है। ये मर्तबा ख़ामोश रूहानी रियाज़त से हासिल होता है। खानक़ाह में भाईचारा मोहज़्ज़ब तर्जे तख़ातुब, एहतरामे आदमियत और मसावात का रूह परवर मंज़र देखते ही बनता है। वक़्ते रुख़्सत शाह साहब एक बार फिर खड़े होने लगे मैंने मज़हिमत की और अर्ज़ किया कि उनके हज़ारहा अक़ीदतमंदों में एक मैं भी हूँ फिर मेरे साथ ये तख़्सीस क्यों? लेकिन मौसूफ़ ने मेरी एक न मानी, रुख़्सत करते वक़्त मुझसे बोले कि आइंदा जब आप आवें तो 'सदाबहार ग़ज़ल' की बीस जिल्दें लेते आवें। मैंने हफ़्ता अश्रा (15 दिन) में उनके इरशाद की तामील कर दी। अगली हाज़िरी में उन्होंने निहायत ख़ुशदिली के साथ बीस

बाकमाल दुरवेश मेरी निगाह में

गुलाम मुर्तज़ा राही

समन्दर की कोई तेज़ तर्रार लहर अक्सर पलट पलट कर किसी साहिली चट्टान से नबरदाज़्मा होती है कि उसे उबूर (पार) कर ले, मगर नाकाम रहती है । लेकिन पास की किसी चट्टान में उसे कोई दर्रा या नशेब (ढ़लान) मिल जाता है और वो तंगनाए साहिल से गुज़र कर वादी में दूर दूर तक फैल जाती है । अंग्रेज़ी के किसी शायर के इस मुशाहिदे ने मेरी रहनुमाई की और मैंने '' पत्थरों के शहर '' ग्वालियर से सर फोड़ते रहने से गुरेज़ किया ।

कोई अरसा गुज़रा होगा कि एक रोज़ मेरे एक मुक़ामी शनासा (आला तालीम याफ़्ता ताजिर कुतब)'' कृष्ण बिहारी टंडन '' ने कानपुर के बुजुर्ग ओ बरगुज़ीदा ''साहब जी'' (सूफ़ी शाह मन्ज़ूर आलम मौजशाही) की ज़ात ओ सिफ़ात का चरचा किया । उनकी ज़बानी मालूम हुआ कि ''साहब जी'' का तबाज़ाद कलाम और मसनवी मौलाना रूम के तर्जुमा की श्रहोबस्त बड़ी तादाद में देव–नागरी में छप चुके हैं। बावर (यक़ीन) कराया कि साहब जी एक दानिश्वर और बाकमाल सूफ़ी मनिश हैं , हीरपैलेस (मालरोड) के अक़ब में मौसूफ़ की ख़ानक़ह है । टंडन जैसे संजीदा और सीधे सच्चे आदमी की बातों से उनके साहब जी से शर्फ़े न्याज़ हासिल करने का मेरे दिल में इश्तियाक पैदा हुआ, अगर्चे 1990 से 1995 तक जाजमऊ (कानपुर) के अर्सा क़याम में साहब जी की ख़ानक़ाह के बेहद क़रीब से दफ़्तर की मेरी आमदरफ़्त ही थी , मगर हर काम वक़्त का मरहून होता है । अगली बार जब मैं कानपुर पहुँचा तो साहब जी से ग़ायबाना यगानत की कशिश मुझे उनके पास खींच ले गई । ऊदो अम्बर से महकती हुई निहायत कुशादा और मुज़य्यन ख़ानक़ाह में ' शाह मंजूर आलम ' दुरवेशाना तौर तरीक़े और आरिफ़ाना महवियत के साथ इरादतमंद ख़्वातीन ओ हज़रात के जलो में बोरियानशीन थे । मैंने आदाब गुज़ारिश करते हुए मुसाफ़हः किया , मुसाफ़हः के नर्म ओ गुदाज़ लम्स और गर्मजोशी की हरारत को मैंने साफ़ महसूस किया । जैसे ही मैंने अपना नाम और तख़ल्लुस बताया मौसूफ़ की आँखों में यगानत की चमक पैदा हुई यूँ लबकुशा हुए कि गुलिस्तां बना दिया , मुझे ये जानकर तहय्युर आमेज़ (तआज्जुब में डालने वाली) मसर्रत का अहसास हुआ कि मौसूफ़ मेरे नाम और कलाम से बख़ूबी मुतार्रिफ़ हैं , राक़िम (लेखक) उनका पसंदीदा शायर है । अपने क़रीब बैठाया , चाय और पान से तवाज़ोअ की । मैंनें ''ला कलाम '' (सन् 2000) और '' सदाबहार ग़ज़ल '' (हिन्दी, सन् 2003) के नुस्ख़े मौसूफ़ की नज़्र किये । पहले उन्होंने '' ला कलाम '' पर एक तायराना निगाह डाली। पसंदीदा अश्आर डूब डूब कर पढ़ते , शेरियत और कैफ़ियत से सरशार होते , गहरे मानी के रंग से शराबोर होते और अश अश करते , राक़िम एक आलिमे शेर से बिलमुशाफ़ा

मुतासव्वेफ़ीन में मुम्ताज़ हैसियत का हामिल था उसे सिर्फ़ हुकूमत की लालच में औरंगज़ेब ने न सिर्फ़ क़त्ल कर दिया बल्कि तीन दिन तक उसकी लाश को हाथी में बांध कर दिल्ली की गलियों में घुमाया ताकि फिर कोई सर उठाने की जुर्रत न करे। यही वजह है कि शोरा ख़ुसूसन सूफ़ी शोरा ने वाएज़ों और मोहतसिबों को अपने तन्ज़ का हदफ़ बनाया है।

हज़रत शाह मन्ज़ूर आलम रह0 के यहाँ भी ऐसे अशआर मौजूद हैं। इनमें सिर्फ़ तन्ज़ व तश्नीअ नहीं है बल्कि आशिक़ सूफ़ी और दुनियादार वाएज़ का फ़र्क़ मलहूज़ रखा गया है। मुलाहिज़ा हो.....

तुमने अभी नमाज़े इश्क़ देखी नहीं है ज़ाहिदों
सजदे से फिर उठा न सर जलवा–ए–यार देखकर

न जाने कितने दिन लगते हैं इस दिल को सजाने में
चमक मुश्किल से आती है मोहब्बत के फ़साने में

तुम्हें मालूम क्या होता है इस दिल के लगाने में
जनाबे शेख़ तुमने कुछ नहीं देखा ज़माने में

अगर तुमने मेरे महबूब का जलवा नहीं देखा

हज़रत शाह साहब रह0 के तन्ज़ में संजीदगी व मतानत वाज़ेह तौर पर महसूस होती है जो आप रह0 की बुर्दबारी और नर्म मिज़ाजी की वाज़ेह दलील है।

हज़रत शाह मन्ज़ूर आलम साहब रह0 का आलमें इन्सानियत पर एक बड़ा एहसान ये भी है कि उन्होंने मुख़्तलिफ़ मज़ाहिब के पैरोकारों को एक लड़ी में पुरो दिया है।

हज़रत मिर्ज़ा मज़हर जाने जाना ने बैन मज़हबी मोहब्बत का जो बीज बोया था यानी हर मज़हब और क़ौम के मानने वालों को अपने साया–ए– आतेफ़त में ले लिया था। उनके मुरीदीन में हिन्दु, सिख और दीगर मज़ाहिब के मानने वाले भी कसीर तादाद में थे ।आपके सिलसिले के बुर्ज़ुगों , हज़रत नईम शाह बहराइची और हज़रत अहमद ख़ाँ साहब ने इस रवायत को और भी इस्तेहकाम बख़्शा यहाँ तक कि अहमद ख़ाँ साहब रह0 ने एक ग़ैर मुस्लिम को न सिर्फ़ बैअत फ़रमाया बल्कि उसकी तालीम व तरबियत भी फ़रमाई और उसके जौहरे क़ाबिल को देखते हुए उसे गद्दी नशीनी की इज़्ज़त भी बख़्शी।

इस रवायत को हज़रत शाह मन्ज़ूर आलम रह0 साहब ने मज़ीद तक़वियत पहुँचाई। आज उनके हल्क़ा–ए–इरादात में हर मज़हब के लोग शामिल हैं जिनमे इनसानियत का मज़बूत रिश्ता उस्तवार है जिनमें किसी क़िस्म की तफ़रीक़ नहीं है। अगर शाह साहब रह0 जैसी हस्ती की सरपरस्ती व तरबियत हासिल हो जाए तो मर्द ही नहीं ख़्वातीन भी माअरिफ़त के आला मदारिज तक रसाई हासिल कर सकती हैं जिसकी जीती जागती मिसाल '' माई साहिबा '' हैं जो हज़रत शाह साहब रह0 की जानशीनी का हक़ अदा कर रही हैं। ✡

उस हस्ती से रिश्ता यूँ ही क़ायम नहीं हो गया ......

उसकी गली में उम्र बिताना खेल जो समझा तो समझे
मुद्दत तक दी उसकी दुहाई तब उसने इनाम किया

और ये इनाम वह है जिसकी तमन्ना में उश्शाक़ का जिगर ख़ून हो जाता है ......

तुम्हें देखना भी अरे बन्दा परवर
मुक़द्दर से मिलता है इस ज़िन्दगी में

ये देखना क्या है?

वह जो बर्क़ चमकी थी तूर पर यही हुस्न था वहाँ जलवागर
जिसे सजदा करते ज़मीन पर मेरी उम्र सारी गुज़र गई

वह बर्क़े तूर शायर को कहाँ नज़र आती है पैकरे रसूल स0 में....

वह तो एक पैकरे नूर था कोई ख़ास उसमें ज़रूर था
कि जहाँ जहाँ वो क़दम गए ये ज़मीन ख़ुशबू से भर गई

शायर इस तजल्ली के दीदार पर शुक्र अदा करना लाज़िम जानता है.....

शुक्रिया अदा करते उम्र बीत जाएगी
इस तरह मेरी दुनिया आपने सवांरी है

शुक्र गुज़ारी का तरीक़ा ज़िक्र के सिवा और क्या हो सकता है.....

ज़ख़्में दिल सो गए याद करके उन्हें
याद का इक दिया झिलमिलाने लगा

उसकी याद ही उसका ज़िक्र है जो सारे ज़ख़्मों को भर देता है और इन्सान को एक अबदी व सरमदी सुकून से आश्ना करता है।

उर्दू फ़ारसी शायरी में शेख़, ज़ाहिद, मोहतसिब, वाएज़ और उल्माए सू पर बड़े गहरे तनज़िया अशआर मिलते हैं। हज़रत शाह मन्ज़ूर आलम रह0 के यहाँ भी ऐसे अशआर मौजूद हैं।

एक बार मेरे एक शार्गिद ने किलास में पूछ लिया था कि सर ये शायर हज़रात इन बुर्ज़ुगों के इतने ख़िलाफ़ क्यूँ हैं और जा व बेजा इन्हें तन्ज़ व तश्नीअ का निशाना बनाते रहते हैं? मैंने उससे कहा कि इस वक़्त ये बात तुम्हारी समझ में नहीं आएगी, हाँ तसव्वुफ़ और अहले तसव्वुफ़ की ज़िन्दगी का मुताला करो तो शयद मालूम हो सके।

वाक़्यिए कर्बला से लेकर आज तक वाएज़ व मोहतसिब जैसी हसतियाँ अहलुल्लाह के ख़िलाफ़ सफ़आरा रही हैं। हज़रत इमाम हुसैन रज़ि0 की औलादे अम्जाद में कई ने इन्हीं ज़ोहाद व शुयूख़ की साज़िशों के तूफ़ैल जामे शहादत नोश फ़रमाया। इतना ही नहीं हज़रत मोहम्मद हुसैन मन्सूर हल्लाज रह0 , सय्यदी मौला रह0, सूफ़ी सरमद रह0, हज़रत सुल्तानुल मशायक ख़्वाजा निज़ामुद्दीन रह0, हज़रत शेख़ आदम बिन्नौरी रह0 जैसी न जाने कितनी मुताबर्रिक हस्तियों ने इनके हाथों ज़िक उठाई है। क्या हारून रशीद , क्या तुग़लक, क्या औरंगज़ेब इन जैसे बादशाहों ने अपनी हुकूमतों के इस्तेहकाम के लिये न जाने कितने बुर्ज़ुगों को तहे तेग़ कर दिया। दाराशिकोह जो हज़रत मियां मीर लाहौरी रह0 का ख़लीफ़ा और अपने अहद के

अजब थी बेक़रारी दिल को मुश्किल से क़रार आया
कि जब हम मिट गए इस प्यार में तब उसको प्यार आया

जहाँ में होश फिर मिलने कभी आया नहीं उससे
जिसे देखा मोहब्बत ने उसे ऐसा ख़ुमार आया

ये इश्क़ जब सर चढ़ जाता है तो कमज़ोर तब्अ लोग हवास बाख़्ता हो जाते हैं जिन्हें उर्फ़े आम में मजज़ूब कहा जाता है और जो इसको दिल में उतार लेता है अनवारे इलाही का खुली आँखों से मुशाहिदा करता है और उसका ये आलम होता है.....

मैख़ाने में हम आए तो दुनिया बदल गई
आ आ के हाले दैरो हरम पूछते रहे

और इस मक़ाम पर शायर इश्क़ की जय जय करता है....

कितने ही सनमख़ाने मोहब्बत के सजाए
ऐ इश्क़ तिरी जय हो अजब धूम मची है

यही इश्क़ ईमान और यक़ीन की बुनियाद है और आशिक़ अपना तन मन धन सब माशूक़े हक़ीक़ी पर क़ुर्बान कर देता है। बस कुछ उधर का भी इशारा चाहिये

वार दूँ ये ज़िन्दगी जानो जिगर क्या चीज़ हैं
मुन्तिज़र हूँ हुक्म का कुछ तो कभी फ़रमाइये

हुक्म का ये इन्तेज़ार आशिक़ के दिल में जज़्बए ख़ुद सुपुर्दगी पैदा करता है जो यक़ीन तक जा पहुँचता है।

जिस का नसीब आप के क़दमों से जा मिला
कैसे बताऊँ आबरू उस गर्दे राह की

याद रखियेगा कि बन्दा आपका मोहताज है
बस इनायत आपकी मिलती रहे जी जाएगा

ख़ुदसुपुर्दगी का ये जज़्बा आशिक़ के दिल में यक़ीन की वो शमअें रौशन करता है जिन्हें तूफ़ान भी बुझा नहीं सकता.....

तुम हो फ़ानूस बन कर बचाए हुए
ये दिया यूँ हवाओं में जलता नहीं

कश्तिए दिल छोड़ दो उसके सहारे जिसकी है
उसकी रहमत ही किनारे ख़ुद बहा ले जाएगी

मुझे ये महसूस हो न पाया कि मेरा कोई नहीं जहाँ में
कि जब भी उम्मीद कोई टूटी वह दिल को मेरे संभालता है

तसव्वुफ़ की इस्तेलाह में ' जी जाना ' का मतलब है 'बक़ा बिल्लाह' यानी ज़ाते अहदियत में ख़ुद को फ़ना कर देना। सूफ़ी फ़ना फ़िल शेख़, फ़ना फ़िल रसूल की मन्ज़िल से गुज़र कर फ़ना फ़िल्लाह और फिर बक़ा बिल्लाह की मन्ज़िल तक पहुँचता है। ये मुक़ाम पुल सरात से भी ज़्यादा नाज़ुक तर है। सूफ़ी जब तक अपने दिल ही दिल में इसकी लज़्ज़त से बहरावर होता रहता है मुक़ामाते मलाकूत की नैरंगियों से इसका क़ल्ब नमू पाता रहता है।

बक़ा बिल्लाह मुक़ामे मअरिफ़त की आख़िरी मन्ज़िल है, जिस तरह एक पुरशोर दरिया समन्दर में मिल कर पुर सुकून हो जाता है, उसी तरह एक सूफ़ी उस मक़ाम पर पहुँच कर अपना आप खो देता है। फिर वह " मन तू शुदम तू मन शुदी" के मिस्ल हो जाता है।

मअरिफ़त के इस मुक़ाम की इब्तदा मोहब्बत से होती है जिसका आग़ाज़ मुर्शिद की मोहब्बत से होता है। जब मुर्शिद मुरीद को हर शै से ज़्यादा अज़ीज़ हो जाता है तो वह बिला तरद्दुद कह उठता है....

ज़ाहिद तुझे क्या आए नज़र काबे के अन्दर
कहते हैं जिसे अर्श वह मुर्शिद की गली है

तसव्वुफ़ की एक इस्तेलाह है " तसव्वुरे शेख़ "यानी हर वक़्त शेख़ का ध्यान दिल में रखना और ख़ुसूसन मराक़िबे में शेख़ को अपने रू ब रू महसूस करना रूहानी इरतक़ा का सबब बनता है। इसी लिये शाह साहब रह0 फ़रमाते हैं.....

एक तजल्ली एक तमाशा एक की पूजा एक से नाता
ध्यान धरो गुरू मूरत अन्दर मन की माला जपा करो

तसव्वुरे शेख़ फ़नाफ़िल शेख़ में बदल जाता है और मुरीद को अपनी सूरत अपनी काया मुर्शिद के मुमासिल नज़र आने लगती है। ये बड़ा ही सख़्त मक़ाम है। इससे निकलने के बाद ही फ़ना फ़िल रसूल की मन्ज़िल मिलती है यहाँ मुरीद की मेहनत व रियाज़त काम नहीं आती बल्कि मुर्शिद की तवज्जोह उसे ऊपर उठाती है और फिर मुरीद आलमे मलकूत व जबरूत की सैर करता है।

मुर्शिद की मोहब्बत यहाँ रसूल की मोहब्बत में बदल जाती है और तस्वीरे शेख़ मद्धिम हो जाती है और हुब्बे रसूल दिल में घर कर जाती है और सालिक मोहब्बत रसूल सल0 में डूब कर इश्क़ की उस मन्ज़िल तक पहुँच जाता है जहाँ वह दुनियावी अलायक़ से पाक हो जाता है और यहाँ आकर वह अपने मुर्शिद की इनायात पर अल्लाह का शुक्र अदा करता है।

मुझ पर मिरे हुज़ूर ने ऐसी निगाह की
जैसे किसी ग़रीब पर आलम पनाह की

इस इश्क़ की मुख़्तलिफ़ कैफ़ियात का इज़हार हज़रत शाह साहब के अशआर में बड़ी ख़ूबसूरती से होता है......

ये इश्क़ भी कुछ अजीब शै है इसी का ग़म है पसन्द इसको
कि है वह हर दम नज़र में उसकी उसी को हर दम पुकारता है

जज़्ब व मस्ती का शायर

डॉ० अशफ़ाक़ अन्जुम

बे मस्ती के हस्ती क्या है, साजन बिना ये बस्ती क्या है
मस्त बनो तो फिर हर लम्हा साथ सजन के रहा करो

हज़रत शाह मन्ज़ूर आलम रह0 की सारी ज़िन्दगी इस शेर की मुकम्मल तफ़सीर है इश्क़ मोहब्बत, जज़्ब व मस्ती, बेख़ुदी व हुशयारी, दिलदारी व जहाँ से बेज़ारी, कुशादा दिली, वुस्अते क़लबो नज़र, ग़रज़ हर सिफ़त आपके अन्दर मौजूद थी जिससे क़लन्दरी इबारत है।

एक सूफ़ी जो इसरार व रुमूज़ मुराकबे में बन्द आँखों से देखता है क़लन्दर उनका खुली आँखों से मुशाहिदा करता है और इसकी मस्तिये वजूद की यही सबसे बड़ी वजह है। खुली आँख के मुशाहिदे से जो लहर दिल में उठती है उसकी कैफ़ियत बयान से बाहर है और यही वह मुक़ाम है जहाँ अब्द व माबूद में '' देखा सुनी'' होती है और बन्दा अपने वजूद से बेख़बर हो जाता है जिसे आम इन्सान मजज़ूबियत का नाम देता है और जो इस कैफ़ियत से ला इल्म है वह इसे दीवानगी और पागलपन कहते है।

सूफ़ी जब जज़्ब व मस्ती की इस कैफ़ियत से आश्ना होता है तो इस पर वैहदतुल वजूद के इसरार खुलने लगते हैं और उसे हर शै में एक ही शै नज़र आती है....

मैं आर किसे देखूँ जब और नहीं कोई
हर ज़र्राए आलम में तुम खुद ही समाए हो

और फिर वह उस मक़ाम पर पहुँच जाता है .....

अब नहीं और तमाशे की तमन्ना कोई
आपके बाद तो जच्ता नहीं जलवा कोई

लेकिन ये मक़ाम अज़ खुद हासिल नहीं हो जाता। इसके लिये पीरे कामिल की रहबरी लाज़मी होती है कि

'' सालिक बेख़बर न बुअद अज़ रस्म व राहे मनज़िलेहः''

मअरिफ़त की दुश्वार गुज़ार घाटियों से पीरे कामिल न सिर्फ़ वाक़िफ़ होता है बल्कि इतनी रूहानी कुव्वत का हामिल होता है कि अपने मुरीद को बा आसानी इन मराहिल से गुज़ार कर मन्ज़िले मक़सूद तक पहुँचा देता है जिसका एतराफ़ शाह साहब रह0 को भी है.....

जी गए वो नज़र हुई वरना
जी ना पाते अगर नहीं होती

ये 'जी जाना ' ही मन्ज़िले मक़सूद के हुसूल का इशारिया है।

छोड़ जाये ।

डॉ. अख़्तर हुसैन 'रायपुरी' पतलून पहने अंग्रेज़ी में सोचते और उर्दू में लिखते हुए ये शेर सुनते कि –

जिस में नामा बँधा था दिलबर का
पर वही गिर पड़ा कबूतर का

तो अपनी नादानी को दानाई समझते हुए फ़रमाते कि क्या घटियापन है, मुँह बनाते, शकल बिगाड़ते और फ़रमाते कि यह लोग यही सब बुलबुलो कबूतर, गुलोगुलज़ार नाम ओ–पयाम, दर–दयारे सितमगार बयान किया करते हैं। काश! कि इंग्लैंड जाकर देखते, कैसा हमने जाकर देखा कि किस तरह दरिया के किनारे बैठेकर गधहे–घोड़े , उल्लू–चिमगादड़ पर शायरी की जाती है यही शेर अब श्बिली नोमानी की क़लम पर आता है और वह एक अंग्रेज़ मुअर्रिख की बेइमानी के सिलसिले में कि उसने वाक़या लिखते–लिखते एक ख़ास जुमला ग़ायब कर दिया और उससे बात ही बदल गयी, इस्तेमाल करते हैं तो पूरा मज़मून चमक उठता है, उनकी दो–चार पैराग्राफ़ में कही हुई बातों में जान सी जाती है और जान पड़ता है कि शेर ने बेजान इबारतों में रूह फूँक दी –

ये है ग़ज़ल की शायरी

'फ़िराक़' गोरखपुरी बताते है कि जब हम बच्चे थे तो अपने वालिद के दफ़्तर में जाकर मेज़ पर बैठते थे और कुर्सियों को रेल बनाकर खेलते थे और जब अक़्ल जवान हुई तो यह समझ आ गई, कि हमारे वालिद वकील हैं, ये उनका दफ़्तर है और इन कुर्सियों पर उनके मुवक्किल बैठते हैं। फिर जब वालिद का इन्तक़ाल हुआ और हम कभी गोरखपुर गये तो देर तक मेज़ और कुर्सियों को देखते रहते थे, दिल भर आता था, जज़्बात दिलो–दिमाग़ को जकड़ लेते थे और हम सोचते रहते थे कि यहाँ उस कुर्सी पर हमारे वालिद बैठते और इन कुर्सियों पर उनके मुवक्किल। फ़रमाते हैं कि बस यहाँ से उर्दू ग़ज़ल की शायरी शुरु होती है

आप पहले क़िस्से पे ग़ौर फ़रमाइये–बचकाना अन्दाज़ है सोचने का हिन्दी के अक़लमन्द और उर्दू के बेअक़्ल ज़्यादातर इसी तर्जे–तिफ़्लाना के साथ जुड़े जज़्बात से ख़ाली, मग़्ज़ ग़ायब सिर्फ़ भूसा हवा में उड़ाते है । इस इसके बाद दूसरे हिस्से पर ग़ौर कीजिए – गुरूर में अपने को अफ़लातून और अरस्तू समझने वाले दानिश्वर बनने वाले, सड़ी अक़्ल से निहायत पथरीली बातें करने वाले कि जहाँ रहें पूरा माहौल पथरीला होकर घुटन पैदा करने लगे और आदमी को मोम के बजाय पत्थर और अगरदान के बजाय नाबदान बना दें जैसे ' जोश ' मलीहाबादी और सरदार ' जाफ़री '। ऐसी शायरी पर वह रोये जिसके दीदे फूट जाएं उन पर तो रोने का भी जी नहीं चाहता अब रहा तीसरा हिस्सा यहीं ये शायरी शुरु होती है अगर इस तरह की ज़मीन मौजूद है तो वो शेर उगते हैं जिन्हें दुनिया कभी भुला नहीं पाती । इनमें तरह तरह के रंग मौक़े–मौक़े पर ज़ेहनों को अपनी तरफ़ ख़ींचते और मजबूर करते हैं कि उन्हें याद रक्खा जाये और कहकर ख़ुद तड़पा जाये और दूसरों को तड़पाया जाये । उनसे निकलने वाले जज़्बात से दिल को नर्म और रूह को गर्म बनाया जाये । इसी को ग़ज़ल की शायरी कहते हैं। ✡

गजल की शायरी क्या है ?

हज़रत शाह मन्जूर आलम मौज शाही

किसी ने कोई बात नस्र में कही , और असर न हुआ और वही बात किसी ने शेर में कह दी असर हो गया। सुनने वाले का दिल पसीज गया , पत्थर पिघल गया। मेरे नज़दीक ग़ज़ल की शायरी इसी का नाम है अगर इतना असर न हुआ तो मैं उसे ग़ज़ल की शायरी नहीं मानता और शेर कहने का फ़न जानना तस्लीम नहीं करता।

चमन में जाइये–फूल खिले हैं, शाख़े हरी हैं, रंग–रंग का समाँ है – कोयल कूकती है, पपीहा पिहिक रहा है, ज़मीन पर फ़र्शे–मख़मल की तरह घास बिछी है, ठन्डी हवा चल रही है, तरावट का ऐसा असर है कि रूह झूमने लगी है, रंगों का हुस्न दीवाना बनाये देता है और आंखों में वह मन्ज़र ऐसा बस जाता है कि घड़ी दो घड़ी भुलाये नहीं भूलता । जितना असर पड़ा और ज़ेहन में बसा–उसें एक शेर में बांध देना कि सुनने वाला वही महसूस करने लगे जो कहने वाले ने महसूस किया है और वही लुत्फ़ हासिल कर ले जो देखने वाले ने हासिल किया है।

यही ग़ज़ल की शायरी है

किसी के घर गये, मौक़ा ख़ुशी का था, आने–जाने वाले मसरूर थे, कहकहों की पिचकारियाँ छूट रही थीं, अन्दाज – दिलबराना कशिश रखता था और वह कशिश जानों–दिल में रची बसी जा रही थी। जाने के बाद आने को दिल नहीं चाहता था और आने के बाद दिल पर लौट आने की कसक मौजूद थी, ये सारी रूदाद एक शेर में बाँध देना और इस तरह कह देना कि सुनने वाला जो कुछ सुन रहा है उसे अपने अन्दर उतरता हुआ महसूस कर ले

इसी को ग़ज़ल की शायरी कहते हैं

किसी हादसे का शिकार कोई मिला, उसने ग़मअंगेज़ दास्तान सुनाई, दुख–दर्द की बस्ती में क्या कुछ गुज़रती है उसे इस तरह बताया कि सुनने वाले का सीना फटने लगा। जिसने सुना , उसके आँसू न रुक सके, ग़म समेटे हुए दामन में उठा और उसे शेर में इस तरह बाँधा कि वही ग़म दूसरों ने महसूस किया और उसी तरह सुनने वालों की आँखों में भी आँसू आ गये –

इसी को ग़ज़ल की शायरी कहते हैं

चिड़ियाघर अजायबघर मिल कारख़ाना गाँव खेती–किसानी सूदख़्वार चिड़िमार तीमारदार मालदार मुफ़्लिस नादार, ख़रीदार बेकार बाकार मशालची–तरहदार फ़िलसफ़ी नावकार अक़लमन्द दुमदार सायादार बेदार दिलदार सबके सबको अपने में समोने का मज़ेदार शानदार तुरफ़ा आतिशबार ज़माने में यादगार अंदाज़े पायदान ग़ज़ल को मयस्सर है लेकिन हम उसी वक़्त उसे ग़ज़ल का शेर समझते हैं जब वह तमाम तरह के बयान का सुनने वाले पर असर

२०१६ से शुरु हुआ साहेब स्मृति फ़ाउंडेशन का सफ़र साहेब की कृपा से बेरोक बढ़ रहा है। फ़ाउंडेशन की ओर से अब तक ७ राष्ट्रीय कवि सम्मेलन/मुशायरों का सफ़ल आयोजन हो चुका है। इनमें विशेष रहे – अक्टूबर २०१७ में राष्ट्रीय कवि सम्मेलन में '' शान–ए–कलियर'' किताब का विमोचन,और २०१८ दिसंबर में लखनऊ के उर्दू हॉल में संपन्न हुआ '' नारी तू नारायणी''। साहेब की लिखी 'गूलर के फूल' के सब भागों के संग्रहित उर्दू संस्करण के लोकार्पण के लिए '' जश्न–ए–मौजशाही'' कार्यक्रम हमारी संस्था साहेब स्मृति फ़ाउंडेशन ने दिसंबर २०१६ में संपन्न किया। जैसा कि 'रसखान' के आयोजन का मुख्य उद्देश्य था लोगों को जोड़ना, वैसे ही साहेब स्मृति फ़ाउंडेशन द्वारा आयोजित इन कार्यक्रमों का हेतु यही है कि साहेब की इस सीख पर अमल किया जाये ।

''हम सूफी संप्रदाय से जुड़े हैं, हमारी तहज़ीब है – मुख़्तलिफ़ रंगों के फूल जमा करके गुलदस्ता सजाना और हम ये करते रहेंगे। हम जोड़ न सके तो जीने से क्या फ़ायदा! ''

गत वर्षो में साहेब स्मृति फ़उंडेशन द्वारा ४ मेडिकल कैंप नौबस्ता, जाजमऊ, जरौली और वृद्धाश्रम (के ब्लॉक) में आयोजित हुए जिनमें ज़रूरतमंदों को डॉक्टरी विमर्श और दवाई निःशुल्क उपलब्ध कराई गई। २०२० में महामारी के चलते हुई बंदी में फ़ाउंडेशन की तरफ़ से खाना और अनाज अभावग्रस्त लोगों तक पहुँचाया गया। सर्दी–गर्मी में चाय और शरबत बांटने का काम फ़ाउंडेशन द्वारा किया जाता रहा है। कुछ विघार्थियों को शैक्षिक व्यय भी साहेब स्मृति फ़ाउंडेशन द्वारा प्रदान किया जाते है। इसके अलावा हर साल नागपुर, कलियर और अजमेर हाज़िरी का नियम भी बंधा हुआ है।

साहेब स्मृति फ़ाउंडेशन के सभी माननीय सदस्यों और सहयोगियों का धन्यवाद कि उनकी शुभकामनाओं और प्रयासों से फ़ाउंडेशन साहेब की आध्यात्मिक विरासत और सीख को लोगों तक पहुंचाने में सफ़लतापूर्वक प्रयासरत हैं। साहेब से प्रार्थना है कि उनकी कृपा दृष्टि हम पर बनी रहे और वे हमारा मार्गदर्शन प्रत्यक्ष रूप में करते रहें।

(पेज न0 27 का शेष भाग)

हवाला जात :

1 – रिसाला क़शीरिया– हज़रत शेख़ अब्दुल करीम इब्न हवाज़िन क़शीरी , इदारा तहक़ीक़ात इस्लामाबाद , पाकिस्तान सफ़ह 457, 2 –मुजल्ला इन्टरनेशनल मुशायरा – मुरत्तिब नय्यर जहाँ – शुमारा 2007 ई0 उर्दू मरकज़ , सुनीटा मोनिका , यू0एस0ए0 सफ़ह 20, 3 – रिसाला क़शीरिया – हज़रत शेख़ अब्दुल करीम इब्न हवाज़िन क़शीरी , इदारा तहक़ीक़ात इस्लामी , इस्लामाबाद , पाकिस्तान सफ़ह 459, 4 –मुजल्ला इन्टरनेशनल मुशायरा – मुरत्तिब नय्यर जहाँ – शुमारा 2007 ई0 उर्दू मरकज़ , सुनीटा मोनिका , यू0एस0ए0 सफ़ह 28, 5 – फ़िक्र व नज़र – मुदीर डाक्टर साहबज़ादा साजिदुर्रहमान शुमारा जुलाई ता सितम्बर 2004 ई0 इदारा तहक़ीक़ात इस्लामी , इस्लामाबाद , पाकिस्तान सफ़ह 56/57, 6 – गूलर के फूल – हज़रत मन्ज़ूर आलम शाह क़लन्दर मौज शाही – साहब स्मृति फ़ाउन्डेशन , केशव नगर कानपुर , सफ़ह 11

'' जो गुरू किरपा करें तो पल में लाखन पाप कटे
यह अनमोल रतन जो पाए वाहिका भाग जगे।''

हमारी संस्था साहेब स्मृति फ़ाउंडेशन की स्थापना सन २०१६ में हमारे परमपूजनीय साहेब की स्मृतियों को संजो कर रखने के लिए और इंसानियत के लिए उनके आध्यातिमक उद्देश्य को आगे बढ़ाते रहने के लिए की गई।

साहेब स्मृति फ़ाउंडेशन का मूल उद्देश्य है लोगों को आध्यात्म की दुनिया से परिचित कराना और इंसानियत के साथ जीना सिखाना, धर्म और सम्प्रदाय के चश्मे उतारकर दिल की दुनिया से रूबरू कराना, ज़ाहिरी दुनिया (मटीरिअलिज़्म) के दलदल में फ़सते जा रहे ज़माने को बचने का रास्ता दिखाना।

साहेब का जन्म जून १६३५ में जौनपुर के बहेरी गाँव में हुआ, और तब ही वाराणसी के पंडितों ने स्पष्ट कह दिया था कि ये बच्चा आसमानी बादशाह है। बहुत कम उम्र में उन्होंने आध्यात्मिक रास्ते को पूरी तरह से अपना लिया और सालों कठोर तपस्या की। १६६७ में कानपुर कैंट के बरफ़ख़ाने में ख़ानक़ाह की शुरुआत हुई और वहीं से ज़िक्र, दुआ, फ़रियादियों की भीड़, दवाएं बनाने और बांटने का काम शुरु हुआ।

हज़रत हुसैनी शाह बाबा मदारिया और हज़रत मौजशाह बाबा के शिष्य होकर साहेब चिश्ती साबिरी सिलसिले से हैं, जिसके आध्ययत्मिक दर्शन की बुनियाद सार्वभौमिक प्रेम है। धर्म, जो सिर्फ़ हमको जीवन जीने का सलीक़ा सिखाता है, से अलग अध्यात्म इंसान को उसके अंदर की दुनिया से परिचित करा के ईश्वर , सत्य या डिवाइन लव हासिल करना सिखाता है। आध्यात्मिक रास्ते पर बढ़ने के लिए घर –बार छोड़ जंगल जाने की ज़रूरत नहीं होती, सिर्फ़ वि–राग या नॉन अटैचमेंट के सबक़ को सीखना है।

साल 1991 में 'रसखान' संस्था की स्थापना हुई जिस से हर साल मुशायरा/कवि सम्मेलन आयोजित होते रहे। साहेब को उर्दू हिंदी, पूरबी और फ़ारसी ज़बान पर मुकम्मल महारथ हासिल है। हज़रत रूमी की '' मसनवी शरीफ़'' जो कि सूफ़ियों के लिए क़ुरान और गीता का दर्जा रखती है, उसका हिंदी अनुवाद और कमेंटरी की है जो कि ७ भागों में '' रहबरे तरीक़त'' नाम से छप चुकी है। सूफ़ी बुज़ुर्गे की ज़िन्दगी के बारे में ''कश्कोल रूहानी'' और ''रूहानीगुलदस्ता'' नाम से किताबें हैं।

वे ख़ुद रूहानी बुलंदी से ताल्लुक़ रखने वाले शायर हैं। '' गूलर के फूल'' नाम से ६ भाग छप चुके है, क़रीब ७०० ग़ज़ल, गीत, मन्क़बत, जो कलाम सारे के सारे आध्यात्म का जहाने मआनी समेटे हुए हैं।

साहेब स्मृति फ़ाउडेशन के पदाधिकारी

अध्यक्ष
डा० इरा मिश्रा

महा मंत्री
विपुल मिश्रा

मंत्री
मनीष तिवारी

कोषाध्यक्ष
संचिता मिश्रा

प्रचार मंत्री
शैल बाजपेयी
प्रभात तिवारी

कार्यकारिणी सदस्य
एच. जी. ओलक
के. के. तिवारी
डा०. गौरव दुबे

सम्मेलन समिति

संरक्षक
फ़ारूक़ जायसी

अध्यक्ष
प्रदीप श्रीवास्तव

सलाहकार
डा०.आदित्य पाण्डेय

सचिव
प्रभात तिवारी

सह सचिव
मनीश तिवारी

प्रचार मंत्री
षैल बाजपेयी,विषाल मिश्र

प्रबन्ध समिति
ऋषिकेश दीक्षित, अंकुर दीक्षित,
रोहित माहेश्वरी,सुनील खत्री,
जे.डी.दीक्षित, संजीव शुक्ला,
अभिषेक, शोभित पाठक,
अनूप मिश्र

साहेब स्मृति फ़ाउडेशन

द्वारा आयोजित

जश्न–ए–मौजशाही

(2016 - 2020)

स्मृतिका

मौज विला,
7न्यू एम.आई.जी.,
डब्ल्यू ब्लॉक,केशवनगर,
कपनपुर–208014 (उ.प्र)

वेबसाइट :
www.maujshaahi.in
Email : maujvilla07gmail.com
Mob. : 9935931681, 9554953641